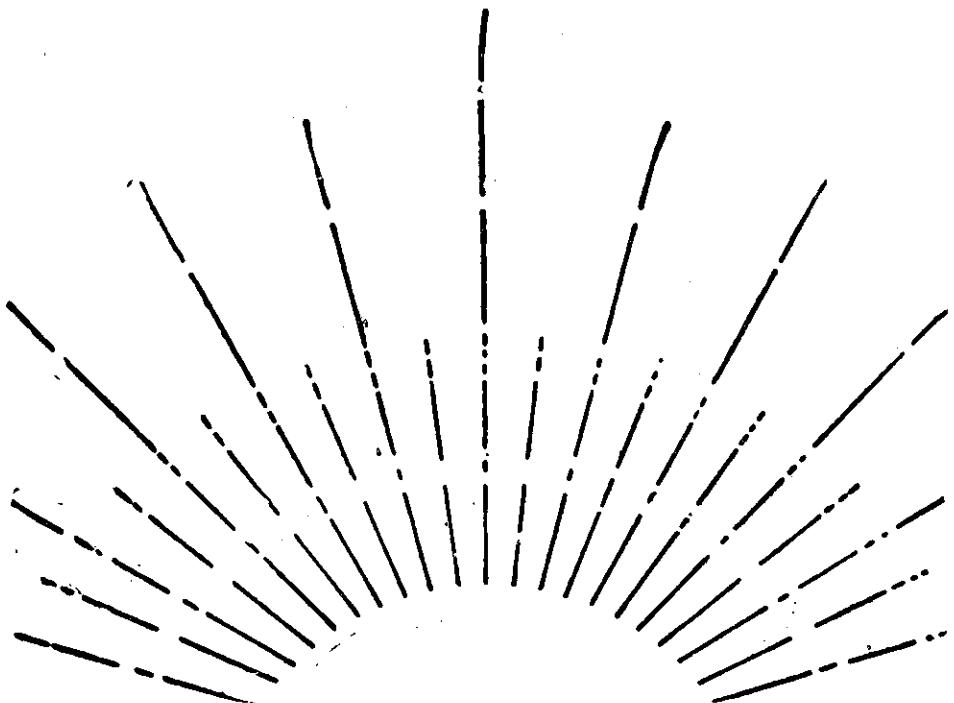


٦٥

مہنامہ جلی دیوبند



ایڈٹر: عاصم عثمانی (فاضل دیوبند)

Annual- 7 Rs.

Price— 90 Ps.

ہنگریزی ہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے۔
سالانہ قیمت ساپے۔ فی پرچہ باسٹھ پیسے
غیر خالک سے سالانہ قیمت ایک پاؤ نڈبٹکل پوٹھل آرڈر

شمارہ نمبر ۱۶
جلد نمبر ۱۶

اس پرچے کی قیمت ۹۰ پیسے پوٹھل آرڈر پرچہ لکھتے بالکل سادہ لکھتے



اشہد مردی

فہرست مصایب مطابق ماہ جنوری ۱۹۷۵ء

	عامر عثمانی	آغاز سخن
۷	"	یہ علم و انش کے نقیب
۱۱	"	مولانا اصلاحی کیا فرماتے ہیں
۲۹	"	کل کیا کہا تھا!
۴۱	مولانا اصلاحی	مسجد سے سخانے تک
۶۴	ملائیں العرب کی	

اگر اس اوپر والے دائروے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لجھے کہ اس پرچہ پر ایس کی خسیداری تھی ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجنی یادی یہی کی اجازت دیں، آئندہ خسیداری جاری نہ رکھنی ہوتی بھی اطلاع دین خاموشی کی صورت میں اگلار پرچہ وی یہی سے بھیجا جاتے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاص فرض ہو رکاروی یہی سات روپے شتر پیسے کا ہو گا، مگر آرڈر بھیج کر آپ وی پرچہ خرچ سے نجی جائیں گے۔

پاکستانی حضرات

ہمیں پاکستانی پتہ پرچہ تھے بھی جو رسید منی آرڈر اور اپتا نام اور مکمل پتہ تھیں بھی جو رسید منی آرڈر جاری ہو جائے گا۔

پاکستان کا پتہ: یکتیہ غما نیہر ۳۲۸۰ مینا بازار

ترسیل زردار خطابت کا پتہ

پیر آئی خش کالونی کراچی (پاکستان)



مندرجہ بالا پتہ پر منی آرڈر بھیکرو رسید
ہمیں بھیج دیں جو منی آرڈر کرتے وقت
ڈاک گاہ سے ملتی ہے۔ منجر

عامر عثمانی پر نظر پڑتے نیشنل پرٹنگ
پریس دیوبند سے چھپو اکراپنڈ فستر
تجی دیوبند سے شائع کیا۔

آغ نے سخن

اگر ہم ذرا بھی احساس ہو جاتا کہ تذکرہ یا تاریخ صدی قبل کے امن معروف بزرگ کا ہے جس کی عویت، "جذبہ جہاد، خدا پرستی، حق کوشی اور صلحیت" تاریخ کی ایک جانی بچانی صداقت ہے تو یقینی بات تھی کہ ہمارے ہاتھ کا انتزار کچھ اور ہی مرتا۔ نہ صرف انداز کچھ اور ہوتا بلکہ ہم اپنی عام تکمیل تلقینیوں سے بتاتے کہ حضرت سید محمد جو پوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دعوہ جہادیت کا انتساب دلوٹگ بات ہیں ہے بلکہ سرتاپ اعلاظ نہیں تو مبالغہ آمیز ضرور ہے اور الگرسی کو ہمارا ہو کر داقعہ اکھیوں نے ایسا دعویٰ کیا تھا اور آخر دم تک اس دعوے پر قائم ہے تو پھر ہمارا تبصرہ یہ ہو گا کہ اس دعوے کی بنیاد یا تو اُس حالت جذبہ مُکرر پر ہی ہو گی جو بعض مغلوب الحال اہل اللہ کی خصوصیت و تھی ہے ماصر یہ ایک اجتہادی غلطی تھی جسے غلطی تو ضرور کہیں گے میرزا ہمیں اور بے دینی نہ کہ سکیں گے گیونکہ جو احوال شیخ خیوصت کے تاریخ نے ہم تک پہنچائے ہیں وہ بلاشبہ ایسے ہیں کہ موصوف کی ذات والا صفات حسین طن اور حسین تادیل کی ستحق قرار پاتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص کی ساری زندگی تو صاف طور پر حق پرستی اور تقویٰ کے حمور پر گردش کر رہی ہو۔ مگر جب اس سے اور اہل بشریت کوئی اجتہادی غلطی ہو جاتے تو ہم اسے فسایت اور ذہنی مکاری سے جوڑ دیں۔

اب اپنے دماغ کے اس حیرت ناک تعطل کو ہم کیا کہیں جو اور اک ہی نہ کر سکا کہ جہادی مکتبہ فکر سے وہی لوگ

"جو پوری جہادی"!

کسی ہنگامی مسئلہ پر دوچار سو خط آجانا ہے اس لئے کوئی نئی اور غیر معمولی بات نہیں۔ لیکن یہ بات قیمتی غیر معمولی اور خلاف تو قاعِ دین کا کوئی شترے چند مفہوموں سے ہمارے پاس ایک لیے مسئلے پر خطاوں کی بھروسہ ہو رہی ہے جس کی ایمیت ہماری نظریں کچھ بھی نہیں تھیں۔

جانتے ہیں آپ کو نہ مسئلہ؟

جو پورے "جہادی موعود" کا مسئلہ!۔ ابھی نہ بے کلی میں ہم نے "جو پوری جہادی" کے عنوان سے ایک سوال کا جواب دیا تھا۔ سوال چونکہ متأثر اور علی ثقہیت سے خالی تھا اس لئے جواب بھی ہمارے قلم سے ایسا ہی نکلا جسے حمایۃ چلتا ہوا کہہ سکتے ہیں۔

البتہ ایک دچھپ غلط فہمی کی وجہ سے جواب میں بعض الفاظ ذرا ترش اور خاردار آگئے۔ سوال۔ جیسا کہ بعد میں حکوم ہر اُس جہادی برادری کے باوسے میں تھا جو اسے تقریباً پا چھو سال قبل کے ایک بزرگ حضرت سید محمد جو پوری رحمۃ اللہ علیہ پر "ایمان" رکھتی ہے لیکن ہمارا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا بلکہ ہم نے۔— خدا جانے کیوں یہ گمان کر لیا کہ حال ہی میں کسی سخرے نے جو پوری میں دعوہ جہادیت فرمایا ہے اور دنما کے ہر گھنی تماشے کی طرح اس کے گرد بھی کچھ لوٹ جمع ہو گئے ہیں اور اسی کے سلسلے میں ہم سے سوال کیا جا رہا ہے۔

یہ آزاد و بھی بعض خطوطیں کروٹیں لے رہی ہے کہ مدبر تحریکی کہیں مل جائتے تو لوٹی بونی کاٹ کر چیل کوں کوکھلا دیں۔ یہ اسوہ اور کیر کھڑے یے لوگوں کا قونز ہونا چاہئے جو تاریخ کی اُس عظیم شخصیت سے اپنے کو منسوب کرتے ہوں جس نے اپنی ساری مسماع جیات اللہ کے دین کو زندہ اور قائم کرنے کی جدوجہد میں لگادی تھی۔ گایساں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دی گئی ہیں۔ ان کے غلام ابن علام عامر عنانی کو بھی دے لو تو غلام زادے کا کیا بگڑے گا۔ مقدمے اور قتل کی دھمکیاں اس خاک سبز کو کیا خداوند ہمچنان گی جس نے پہلے دن اپنے جسم و جان کو حق گئی کی دکان پر گروئی رکھ دیا ہے۔ البتہ خود گالیاں اور دھمکیاں دینے والوں کی پستی کردار اور تاریخیں لائیں افسوس ہے جس سے اسلامی شاستری پر حرف آتا ہے اور انگھٹیں کا ثبوت ملتا ہے۔

کمال تو یہ ہے کہ بعض لکھنے والے بی۔ اے اور ایم لے بھی ہیں۔ دکالت کی طرحی سے بھی سرفراز ہیں مگر ان کا اندازہ لکھنے کا خدا کی پناہ! — بعض کرم فرماؤں نے باب مناظر بھی کھینا چاہا ہے۔ اگر ان کا طرز لکھنے کی طرح ہم نے ڈاکے دیتے بھی ہیں۔ لیکن بالعموم ان کا طرز لکھنے کی معنوی مضرات اور نفع و استدلال سیست اُس طرح کا ہے جو شیخ فکر اور باریغ بیرونی کی خصوصیت ہے اہم بامناظر ہکونے کے عوض صرف اتنا کہیں گے کہ پاچ سو سال قبل والے سید محمد حبۃ اللہ علیہ کی بزرگی اور صاحبیت پر تو ہم بھی تہری دل سے یقین رکھتے ہیں۔ اور اگر ہیں مگاں گذر جاتا کہ سائل نے تذکرہ اسی عین علم سنتی کا یہ ہے تو جواب ہم کسی اور ہی انداز میں دیتے لیکن جو جواب بجاہت موجود ہم نے دیا ہے وہ بھی اپنی معنوی صداقت اور اعتقادی حیثیت سے آج بھی ایسا ہی درست ہے جیسا کہ تھا۔ آج بھی ہم صاحف لفظوں میں بیانگ دل کہتے ہیں کہ جو شخص خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے آج تک کسی کسی بھی سنتی کے باہم میں یہ دعویٰ لیکر اٹھا ہے کہ اسے "امورِ ملن اللہ" مانو وہ کافر قرار پاؤ گے وہ یا تو نہیں ہے۔ یا شیطان گزیدہ ہے، یا

مراد ہیں جو از راہ سادہ بھی اس تاریخی شخصیت کو جسدی موجود تصور کرتے ہیں۔ اگر اداگ ہبہ جاتا اور سوال کوئی کسی تازہ تباہہ مراق کا شاخاصانہ نہ سمجھتے تو قدر تی طور پر ہمارے جواب کا لب و ہبہ زیادہ تھیں، زیادہ حفاظت اور زیادہ تفتہ ہوتا۔ ہبہ دی حضرات کو ہمارے جو الفاظ سب سے زیادہ گھٹے ہیں وہ یہ ہیں:-

"ایسا ہر شخص جو یہ دعویٰ لے کر اسٹھ کے مجھے مل ورنہ کافر ہے جاؤ گے ایسے کسے کی مانند ہے جو مل کا طری کو دیکھ کر بھونکتا ہے۔۔۔"

ان الفاظ میں یہ حقیقتہ و خیال بیان کیا گیا ہے وہ تو کل بھی درست تھا اور آج بھی درست ہے۔ لیکن خود الفاظ اتنے ہر دے اور نیکلے ضرور ہیں کہ جہادی مکتبہ فلکر کو گواں لگز رکنے ہی چاہتیں بلکہ خود ہمیں بھی اس وقت سے گواں گذرا ہے ہیں جبکے معلوم ہوا ہے کہ موصوع گھنٹکو کا سرا کس پاکباز سنتی سے ملا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس نے کب کیا بات کس نیت سے کہی یا کھمی ہے۔

حیرت اس پر ہوئی کہ بعض جلسیوں کی موصولہ قراردادوں کی روشنی میں ہبہ دی حضرات کی تعداد اسی لاکھ معلوم ہوئی ہے یا للہ جب! اصرحت اس پر ہوئی کہ یہ فرقہ مردہ اور بے حس نہیں ہے۔ یہ زندگی اور بیداری ہی کی علامت تھے کہ اپنے پیشوائے باشے میں توہین کا احساس ہوا تو ٹھنڈی آہیں بھسکر ہیں بیٹھ رہے بلکہ جلسے کئے، قرارداد میں نظر کیں اور چھپوائیں، وزیر داخلہ کو تاریخی اور مدیر تحریک مدرس خطاوں کی باڑہ ماری غالباً جس طریقہ ملکوفت کی تعداد بھی چھاس سے کم نہ ہوگی۔ غیر جس طریقہ کی تو کوئی مگنتی ہی نہیں۔

استعفاب اس پر پوچھ لی کو ہبہ دی حضرات بھی کافی پڑھتے ہیں۔ رنج و ملال اس پر ہوا کہ موصول شدہ خطوط کی غالب تعداد بھری کھیا ہے۔ عمراً تو ملاحظہ گالیاں دی گئی ہیں۔ اوسط درجے کی دشمنام طرزی سے تو شاید وہ فیصلی خطا بھی خالی نہ ہوں۔ برد عاتیں اور دھمکیاں بھی ہیں۔ حشک

دینے میں بالکل آزاد ہوں اور وہ عامر عثمانی ظالم قرار پاتے جس نے پدٹ کر گالی نہیں دی صرف اتنا کہا کہ یہ لوگ گیرڈر ہیں جو لایعنی شور و خونا چارے ہیں انہوں جو شخص بھی اپنے نہ مانتے والوں کو آخری گالی دیتا ہے اس کی آواز کتنے کی آواز کی طرح ہے جس پر سمجھدہ الفات مکن نہیں۔

بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ سائل نے ہبہ دی حضرات کا عقیدہ صحیح بیان نہیں کیا۔ سب ہبہ دی ایسا ہنری مانتے کہ سید محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ہبہ میت کا منکر کافر ہے۔ یہ اگر درست ہے تو ظاہر ہے کہ ہمارے جواب سے الحسنؑ کی تعلق ہی نہیں۔ ہم نے تو سائل کے بیان کردہ عقیدے ہی پر لفظی کی ہے۔ یہ عقیدہ جس کا بھی ہو وہی ہمارا ہدف ہے۔ جس کا نہ ہو وہ چیز سے سوتے۔ سید محمد جنپوریؑ کو ہم تو صاحبِ ہدودِ حبی تصور کرتے ہیں۔ تابیخ میں ایسے لہتیرے علماء کا ذکر ہے جنہوں نے حضرت موصوف اور ان کے پیروں پر کفر کا فتویٰ عائد کیا۔ ان تک کو تصور وار نہیں کہا جا سکتا۔ انہیں اطلاع ہیں لی تھی کہ حضرت سید محمد ہبہ دی موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس پر انہوں نے قوی صادر کیا۔ اگر اطلاع غلط تھی تو مفتیوں کی نیت پر حرف نہیں آتا۔ روایت غلط ہو سکتی ہے۔

لطیف

بعض ہبہ دی کرم فرماوں نے حضرت جنپوریؓ سے متعلق کچھ کہا چکے بھی ارسال فرماتے ہیں۔ ان کا شکریہ۔ کتابچے اپنے چہرے ہمراہ ہی کے اعتبار سے ایسے نظر آتے کہ کوئی بھی نقشہ کا طالب علم ان کو دیکھ کر بلا تکلف اندازہ لگا سکتے ہے کہ ذوق مزاج، شاستری اور سلیقہ وغیرہ میں ان کے چھاپنے والے کتنے پس ماندہ ہیں۔ انہوں جو کچھ تھا وہ بھی ایسا ہی تھا کہ تصریح کرنے کی تھی۔

ایک نمونہ ہے۔

”اپ کی پیدائش کے وقت ایک غلبی آواز سنی گئی جو کہہ رہی تھی جا عالم الحق و زر عالم الباطل ان الباطل کان ز هوقا۔۔۔“

ماں غصہ کے دشنام طرازی پر اُتر آئے والوں اور مقدمے وغیرہ کی دھمکیاں دینے والوں کو سر سے مل نہیں بلکہ پیروں کے بل کھڑے ہو کر غور تو کرنا چاہتے ہیں کہ قبور ان کا زیادہ ہے یا ہمارا قلم اپنھوں نے کیا ہے یا ہمنے۔ الگ ہم مان ہیں کہ ہبہ دی فرقہ کی تعداد اور اتحادی اتنی لاکھ ہے تو پھر بھی دنیا کے کروڑوں مسلمان وہرہ جاتے ہیں جو حضرت سید محمد جنپوریؓ کو مامور اللہ یعنی ہبہ دی موعود نہیں ملتے۔ سائل کہتا ہے کہ ہبہ دی حضرات ان نہ مانندے والوں کو صریحًا کا فرقہ ارادتی ہیں۔ تو بتا جاتے ”کافر“ سے بڑی بھی کوئی گالی مسلمان کے حق میں ہو سکتی ہے۔ ماں ہبہن کی بآپ دادوں کی ساری گالیاں ایک پلڑے میں رکھ دو اور ”کافر“ دوسرے پلڑے میں۔ مسلمان کے حق میں دوسرا ہبی پلڑہ بھاری نظر آتے گا۔ پھر ماہلے لب و لہجے کی ترشی کا دید دیزیادہ سے زیادہ اسی لاکھ ہبہ دی وی بن سکتے ہیں مگر سائل کی تصریح کے مطابق ہبہ دی حضرات کا اعلان تکفیر تو ساری دنیا کے مسلمانوں کو نہ بتا ہے۔ کسی عقل والے سے پوچھ دیکھو ایک فری کسی صریح البطلان دعوے کے تعلق سے شکر کا مثل تدریج دینا ساری دنیا کے کروڑ مسلمانوں کو ہبہ دی ترا دیہی نے کہ مقابلے میں ایسا ہی ہے جیسے ایم بیم داغ دینے کے مقابلہ میں چھترے دا بسندوق کا گھیردار ہے۔ ہم نے گولہ باری کے مقابلہ میں فقط انہی چھوٹی ہے اور ہبہ دی وی دوستوں کی نزاکت طبعی اسی پر زمین و آسمان ایک کر دینا چاہتی ہے۔ مقدمہ ہبہ دستان کے ہبہ کروڑ مسلمانوں کو اتنی لاکھ ہبہ دیوں پر دائر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اٹلی گنگا ایسی کہ مقدمہ کیا جاتے عامر عثمانی پر جس بیجا رے نے صرف دفاع کیا ہے جملہ نہیں۔ اصول و عقیدہ بیان کیا ہے کہ مسلمان کو کافر نہیں بنا کیسی بزرگ کائنات کے گالیاں نہیں دیں۔

ہو سکتا ہے کوئی من چلامقدے کی دھمکی کو جامہ عمل پہنا ہی دے سے ہم بڑے شوق سے عدالتی سمن کے منتظر ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ قانون کی وہ کتاب کوئی ہے جس میں وہ لوگ تو مظلوم طیار کئے ہوں جو کروڑوں مسلمانوں کو دنیا کی سب سے بڑی گالی

کو رسول اللہؐ کو تو یہ کمالات برداہ راست خدا سے
خطا ہوتے اور مجھے رسید محمد چونپوری کو بالواسطہ
بیو اسطہ اس درجہ کا ہے کہ اب میرے کمالات میں
اور رسول اللہؐ کے کمالات میں شہر بربر شرق ہیں۔
اس کتاب پر مجھے کو پڑھتے والے صادہ یوں کو اول تو یہ
دھی کاریا گیا کہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی جیسا عالم بزرگ
رسید محمد چونپوری کے باسے میں ایسا خوش عقیدہ ہے۔ چنانچہ
اس کے متعلق بعد مولانا آزاد کی یہ عبارت کسی اور جگہ سے
لاکرٹ نانکی گئی کہ:-

”علمائے حق کا تو یہ حال تھا مگر علمائے دین نے اس
جماعت کے استیصال برکریا تندھی اور رسید محمدؐ کی
نسبت چہروی وغیرہ کو تباہ تلقین فرار دیا۔
گویا رسید محمدؐ کی یہ تعریف شاہ عبد الحق محدث دہلوی
کے عالم حق ہونے کی دلیل تھی۔
دوسرادھو کا یہ دیا کہ یہ صاراقصیروہ مولانا آزادؐ کی
کلمے نکلا ہے۔

حالانکہ حقیقت کیا ہے اسے تذکرے میں دیکھئے۔ حقیقت
یہ ہے کہ مولانا آزاد صفات الفاظ میں مولانا عبد الحق محدث
دہلوی کو حضرت چونپوری کے خلافین میں شمار کرتے ہیں اور
پھر دوران تحریر میں محدث دہلوی کی مذکورہ فارسی عبارت
یہ واضح کرنے کے لئے نقل کرتے ہیں کہ خلافت کی وجہ کیا تھی۔
خلافت کی وجہ یہی تو تھی کہ حضرت محدث کے نزدیک رسید
چونپوری ایک بہل ترین عقیدہ رکھتے تھے۔ گویا مولانا آزاد
نے جو عبارت یہ دکھانے کے لئے نقل کی تھی کہ حضرت محدث
کس وجہ سے حضرت چونپوری سے بیزار اور ان کے خلاف
تھے اسی عبارت کو کتنا بچ مرتب کرنے والے نے سیاق و
سابق سے جدا کر کے اس طرح نقل کیا گواہ محدث دہلوی نہ فہر
حضرت چونپوری کے مذاخوں میں تھے بلکہ ان سے منسوب
و اہمی و باطن عقیدے کی بھی تو شنی و تصدیق فرمائیا تھا
مستزادیہ کہ شاہ دہلویؒ کی اس فارسی عبارت
کے متعلق بعد مولانا آزادؐ نے جو کچھ قسم فرمایا تھا اسے

بتائیے۔ جس فرقے کے عقائد اسے عجائبات پر استوار ہوں ہیں
علم و عقل کے کان زاویوں سے لفظوں کی جائے۔
ایک کتاب پر مجھے میں بعض لوگوں کی وہ تحریر ہے جس کی گئی
ہیں جو حضرت چونپوریؒ کی تعریف پر مشتمل ہیں۔ ان میں مولانا
آزادؐ بھی ہیں۔

اتفاق سے مولانا آزادؐ ”تذکرہ“ نامی کتاب ہے اک
یاں بھی تھی جس کے جواہ سے مادر صفتیں صفحات اس
کتاب پر مجھے میں نقل کئے گئے ہیں۔ مقابلہ کر کے جو کھاتوں نقل
ایسی عجیب کاریگیری کا نمونہ ثابت ہوتی کہ اگر مولانا آزادؐ
کی روح نے بارگاہ اُبھی میں مقدمہ داخل دیا تو اس کتاب پر
کے مرتب اور نامشروع طبی مصیت کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔
مولانا آزاد کی عبارت نقل کرتے کرتے کسی ایسی عبارت
کے بغروں پر دلالت کرتی ہو کہ ان کی عبارت ختم پڑی گئی تھی
کیا جاتا ہے:-

”اکثر اہل اللہ اور علماء حق کی ایسی متفقین ہے کہ
رسید محمد چونپوری اور ان کی جماعت سے حسن طفل
راکھتے تھے یا اقلًا ان کے باسے میں توقف و مکوث
کی کامیں لاتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا قول شاہ عبد العزیز
صاحب تھے ایک مکتوب میں نقل کیا ہے کہ رسید محمد عالم
حق اور واصل باللہ تھے۔“

اب ”تذکرے“ کے متعلق صفحات میں ہمارا کچھ۔
یہ ”نقل“ آپ کو قیامت تک نہیں ملے گی۔ پھر کہاں سے
اکھیر کی بیونڈ کاری کی گئی ہے یہ کچھ تباہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر لطفیہ دیکھتے جو بیداری کی شاندار
مثال ہے۔ اسی مولانا آزادؐ کی نقل میں درمیان کی عبارتیں
حذف کر کے شاہ عبد الحق محدث دہلوی کی ایک عبارت نقل
کی جاتی ہے وہ عبارت فارسی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:-

”رسید محمد چونپوری کے نزدیک تمام وہ کمالات جو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے تھے خود رسید
حکمیں پورے کے پورے موجود تھے۔ فتن اتنا ہے

ہاتا ہے۔ وہ اسے لقینی نہیں سمجھتے کہ حضرت چونپوریؒ نے اپنے ہبہ دی ہوئے کا دعوہ کیا ہے، لیکن الگ واقعہ کیا ہوتا ہے وہ عالم جو دوستی کی ایسی یہی بات قرار دیتے ہیں جیسے منصور نے انا الحق کہا تھا پھر راہ سلیک کا ایک دھمکا کہتے ہیں۔ اب اسے ایمانداری کے کس خانے میں رکھیں کہ جو لوگ حضرت چونپوریؒ کو ہبہ دی موعود مانندی غلط فہمی میں بتلا ہیں وہ اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کے لئے انھی مولانا آزادؒ کی تحریر تربیت کر کے نقل کر رہے ہیں۔

نفسِ مسلم

قامت سے قبل کسی ہبہ دی کا ظہور ہو گایہ عقشہ سمجھی مسلم رکھتے ہیں کیونکہ احادیث میں اس کی اطلاع دی گئی ہے لیکن اس ہبہ دی کی خصوصیات کہا ہوں گی۔ یہ واضح کرنے والی حقیقتی بھی روایات میں تقریباً سب کی نہ کسی اعتبار سے ساتھ الاعتبار یا مشکوک ہیں۔ فن روایت اور صبول درایت ان کی تو شیخ نہیں کرتے۔ ان میں سے بعض کامن ہدف ہونا تو اس قدر صریح ہے کہ نقد و نظر کی صلاحیت رکھنے والا کوئی بھی طالب علم یہ آسانی ان کی وضعیت کا دراک کر سکتا ہے لیکن اس پہلو پر گفتگو ایسے ہی لوگوں سے کی جاسکتی ہے جن کے دامغوں میں کوڈا بھی ہو۔ جنہیں ہبہ دیں فیض سے وجد ان سلیم بھی طالب پڑھیں علم حدیث کے شایان شان تعمیحی عطا کیا گیا ہو۔ اُن لوگوں سے کیا بات کی جائے جنہیں آج تک یہ بھی شعور نہیں کہ انامن فوس اللہ والی روایت حدیث ہیں اور جن کو ذرا احساس نہیں کر ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر ستر اور یا کیسا احمقان ظلم ہے۔ بلکہ کسی بحث کے ہم کہتے ہیں کہ چلتے ماں ہی یا کہ خوب ہبہ دی کر سلسلے میں حقیقی بھی روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں رب کی سبقت اب بحث ہیں لیکن ان سے بھی تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سید محمد چونپوریؒ ہبہ دیں۔ مثلاً ایک ہی روایت کو لیجئے۔ یہ روایت اُس کتاب پر میں بھی نقل ہوتی ہے جو الحسن ہبہ دی کی فراش پر شائع کیا گیا ہے۔

”زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں تم کہ ہبہ دی موجو

یکسر حرف کر دیا گیا۔ اس کے مقابل بعد مولانا آزادؒ فرماتے ہیں ”شاہ صاحب کی بیر عبارت دیکھ کر مجھے کو خیال ہوا کہ ہمارے زمانے میں مزاد صاحب تادیانی کے مقصد بر میں سے ایک بڑا گروہ بھی مزاد صاحب کی نسبت بعینہ بھی اعقار کھتائے اور اسی اصلاح و تعمیت کے فرق پر اپنے تمام علواد اغراق کی بیداری کی ہے۔ وہما اشیہ اللیلة بالنهار جة۔“ دیکھا آئے!

اندر بیکھی۔ مولانا آزادؒ کے توصیفی جملے تو چل گے سے نقل کر لئے گئے تکہ وہ عبارتیں سب چھپوڑیں جو مولانا آزادؒ کی جموجمعی رائج کا اکٹاف کرنے والی تھیں۔ مثلاً مولانا آزادؒ حضرت چونپوریؒ کے دعوہ ہبہ دیت وغیرہ کے بارے میں رقمطر اور میں کہ:-

”اُس قسم کی باتیں دو حال سے خالی نہیں یا تو معقولین کا غلو و افراد اور سو وہم و زیغ نظر و ضلال استبا طوا استدال ہے یا بصورت ثبوت اس طرح کی تمام باتوں کو غایہ سکرا دو حال یا ضریب سوانح و مشاہدات کا نتیجہ سمجھنا چاہیے جو اس راستے پر بڑے طبے کاملین و مصلین تاک کو پیش آئے ہیں اور ہبتوں کا معاملہ دعا وی شلیمات تک پہنچلے ہے۔“ اس سے کچھ قبل مولانا آزادؒ حضرت سید محمدؒ اور ان کے بعض پیروؤں کی نیک نفسی کا اعتراف کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

”فتنہ غلو و ابیل بچپلی امتوں کی طرح اس امت کی ہر جماعت کے لئے بھی ایک بڑا فتنہ رہا ہے۔ یہی حالت اس جماعت کو بھی پیش آئی اور فتنہ تکی میں بسادی صداقت اخلاق کے علو و محدثات میں گم ہو گئی۔“

گویا مولانا آزادؒ نے کچھ بھی تعریف کی ہے وہ حضرت سید محمد چونپوریؒ کے زہدو مرغ، روحاںی عظمت اور جرأت و ہمہت کی کی ہے ترکہ اُس فرقے کی جس نے اخھیں ہبہ دی موجو

اُس انقلاب عظیم سے آشنا نہ کر سکا ہو جس کی پیش گئی حدیث میں ہے۔ محل بات یہ یہ کہی ایک ملک اور شہر اور سب سے بھی تام مظلوم و مفاسد کا قائم قمع کرنا اس پر موقوف ہے کہ اقتدار و اختیار کی بارگاں ڈونٹال ملین و مفسدین کے ہاتھ میں نہ رہے۔

حضرت جنپوری کے وعظ و ارشاد سے چند ہزار یا چند لاکھ انسانوں کے کردار میں خوشگوار تبدیلیاں ضرور پہنچی ہوں گی لیکن جن نوع بذوق مظلوم سے تخلق خدا کو اپنی اقصادی، تجارتی اور معماشی زندگی میں غیر منصفت حکمرانیں کے ہاتھوں دوچار ہوتا پڑتا ہے ان کا استیصال تو کسی ایکتے یہی اور قبصے میں بھی حضرت جنپوری کے ذریعہ نہ ہو سکا۔ ہوتا کیسے جبکہ اقتدار کا منصب آپ کو ملا ہی نہیں۔

پھر ان لوچنیتیوں میں آپ کے دم سے عدل و دستا کا دور دورہ ہو ہی کیا ہو تو کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ پوری زمین عدل و انصاف سے بھر گئی! — آدمی نگاہ کی کمزوری یا فاصلے کی زیادتی کے باعث یہ دھوکا تو کھا سکتا ہے کہ جو کسی کے قسم کو ستارہ سمجھ لے لیکن نہ ہے متنے ستارے کو سورج سمجھ لینے کا دھوکا آخر کیا ٹکر رکھتا ہے۔ حدیث سے تو صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ہندی موعود ایسا لیسا ہی شہرہ آفاق، وسیع الاثر، بلند قامت، انقلاب افریں اور عقری انسان ہو گا جس کی عظیم دعوت اور تہلکہ اگر جدوجہد کے خصوص و مشاہد اثرات روئے زمین کو اسی طرح اپنے احاطے میں لے لیں گے جس طرح سورج کی روشنی ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ دنیا میں غلغٹی تجھ جائے گا۔ مشرق سے غرب تک چرچے ہوں گے۔ الٹ پلٹ ہوں گے۔ تخت و تاج بد لیں گے گھلوٹیں کے ایوان ڈھیر ہو جائیں گے۔ روئے زمین کو ظلم و طغیان سے خالی کر کے عدل و پاکیزگی سے بھروسنا کیوں کیا جادو کا تھیں تو نہیں۔ شعبدہ تو نہیں۔ اس عظیم و حلیل تغیر کے وقت مبارا عالم گوئی اٹھے گا۔ جو شوال آجائے گا۔ بھلان ان لوگوں کی سادہ لوچی کی کوئی خد ہے جو اس ہمہ گیر تغیر اور انقلاب کو ہندی موعود کی علامت اور خصوصیت ماننے کے باوجود اس شخصیت کو ہندی مان بیٹھے ہیں جس کے دم سے روئے زمین کے ظلم و

کی خوش بھری دیتا ہیں جو ایک شخص ہے قریش سے میری آل سے میری امت میں لوگوں کے اختلاف اور زلزلوں کے وقت بھیجا جائے گا۔ پس زمین کو ایسے عمل انصاف سے بھروسے گا جیسے کہ ظلم و ستم سے بھری ہو گی اس سے زمین و انسان والے خوش ہیں گے اور مال صحیح قسم کرے گا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ صحیح کیس مخفی ہیں آپے فرمایا لوگوں میں سویت (ربابری) کے ساتھ قسم کریں گا اور امت تحری کے دلوں کا متفاہ سے بھروسے گا۔ اس کا عدل لوگوں کے لئے عام ہو گا۔

ہم ہدودی حضرات سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ان کے پاس تاریخ کا کوئی ایسا ذخیرہ حفظ ہے جس سے پتا چلتا ہو کہ شہرہ میں اولاد ہے۔ — حضرت جنپوری کا زمانہ حیات ہے ایک دن بھی ایسا آیا ہو جس میں ظلم و جور اور شرک و نقد فرقے سے بھری ہوئی دنیا عدل و امانت اور حق و صداقت سے محروم رہ گئی ہو۔ تاریخ جو تجھ بتاتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضرت موصوف وطن سے نکل کر مختلف مقامات پر گئے اور وعظ و نذر کی آپ کا مشغل رہا۔ کچھ لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر میت کی اور ایکستقبل فرقے کی بنیاد رکھی گئی۔ بس یہ ہے کل کائنات! — کوئی حضرت موصوف کے زید و ورع کی تخفی ہی تعریف کرے اور ان کے دائرہ معتقدین کو کتنا ہیچ کھیلا کر میش کرے لیکن اس کو کوئی ادنیٰ مہاتسابت اور برائے نام مشاہد اس علامت سے نہیں ہوتی جس کا ذکر صريح حدیث میں موجود ہے۔ دنیا کے کسی ایک ملک میں قحط پڑ جائے تو یوں نہیں کہا جائے کہ ساری دنیا قحط زدہ ہے۔ ساری دنیا کو قحط سے محروم اس وقت کہیں۔ — جب دنیا کی غالب اکثریت مبتلا ہے قحط ہو جائے۔ اسی طرح زمین کو عدل و انصاف سے محروم اسی وقت کہنا ممکن ہے جب کہ روئے زمین کا طراحت حصہ عدل و انصاف سے بھر جائے حدیث کی روئے جدیدی موعود کی شان الگریہ ثابت ہوتی ہے کہ زمین کو عدل و انصاف سے بھروسے گا تو آخراً ایک ایسی شخصیت کو ہندی موعود مانا کہاں کی داشتہ ری ہے جو پوری یا ادھی یا چھاتی زمین کو تو کیا۔ زمین کے ہزار دن حصے کو بھی

قرآن اور حاملین - رنگین اور عکسی

آرڈر میں صرف نمبر لکھ دینا کافی ہے۔ ڈاک خرچ خریداری کے ذمہ ہو گا۔ ہذا کئی آدمی مل کر کئی نئے طلب کر لیں تو بنڈل ریل سے جاسکے کا جس میں کفاایت ہو گی۔

مترجم

قرآن نمبر ۳۴ ترجمہ:- مولانا شیخ الہند رحم

تفسیر:- علامہ شیراحمد عثمانی رح
پاکستانی ایڈیشن مجلد بائیس روپے۔

ہندوستانی ایڈیشن - مجلد بیس روپے۔

قرآن نمبر ۳۵ ترجمہ و تفسیر:- مولانا اشرف علی رح
مجلد پلاسٹک - گیارہ روپے۔

محلد چرمی - ساڑھے بارہ روپے۔

قرآن نمبر ۶۸ ترجمہ - حضرت شاہ رفع الدین
اور مولانا اشرف علی رح

حاشیہ پر مختلف مستند تفاسیر کا چھوڑ۔

محلد چرمی - ساڑھے گیارہ روپے۔

محلد پلاسٹک تیرہ روپے۔ محلد چرمی پندرہ روپے۔

حامل نمبر ۳۶ ترجمہ - فتح الحمید - حاشیہ - موضع القرآن
محلد چرمی - چاریزین آٹھ روپے۔

پلاسٹک ۹ روپے۔ چرمی دس روپے۔

حامل نمبر ۸۰ ترجمہ:- شاہ عبدالقدار جیلانی رح

پلاسٹک دس روپے۔ چرمی بارہ روپے۔

حامل نمبر ۸۳ ترجمہ - فتح الحمید - تفسیر - موضع القرآن
محلد چرمی - ریزین آٹھ روپے۔

پلاسٹک نو روپے۔

تاج کمپنی لاہور کی ایکشانڈ ارتجم حسانی

ترجمہ و تفسیر - موضع القرآن

آٹھ روپے

سونی

سونی

سونی

سونی

سونی

سونی

یہ علم و انسان کے نقیب ہے!

یہی وہ مولانا مودودی ہیں جن کی شہرت اب تک ان کے ہر تحریری و تقریری بیان کے احساس زمرداری (اوپر شرعی زمرداری) کی تھی! اپنے اکابر الیکشنی مذہبات کا انتقامی بھرمان ان کے سے زمردار شخص کو بھی کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے! اناللہ...
وہ شفیقت کردھوم محنی حضرت کے نزدیک میں کیا کہوں کہ راست مجھے وہ کس کے لئے

مجھے آپ یہ موتی کس نے بھیرے ہیں؟
مولانا عبدالماجد دریابادی کے خاطر غیر شامہ نے۔

(صدمت جدید ۲۰ نومبر ۱۹۷۴ء)

ان کے اخواز ہن کی طاری کا یہ شاذ ارکونہ ظاہر ہے اُن سادہ دل عوام سے تو خوب خوب دادھاں کرے گا جو یہی اُن ازادہ احصوصت اس خوش فہمی میں بتلا ہیں کہ ایک عقلمند آدمی سال کے میں سو سیسٹھ دنوں میں یکساں طور پر عقلمند رہتا ہے عوام کے علاوہ وہ خواص بھی جھوم جھوم اٹھیں گے جنماں اور سندوں اور بیاسوں کے اغبارے بیشک خواص ہیں لیکن عقل و دانانی اور فہم و ذکا کے لحاظ سے ان کے لئے زیادہ منزدی یہی تو تاکہ پر اکری اسکوں میں لڑکے پڑھاتے یا پر چون کی دکان کھول کر آٹا دال بیجتے۔

لیکن جن بندگان خدا کو میر مریض سے متوازن داماغ اور متناسب علم عطا ہوا ہے اور کسی شخصیت یا جماعت کے عناد و تعصب نے ان کے فکر و مشعور کی جگہ توں میں زہر نہیں گھولے،

الیکشنی بھرمان

امیر جماعت اسلامی پاکستان مولانا مودودی کی ایک الکشنی تقریر کا اقتباس:-

عام حالات میں اصول کے مطابق صدر مرد ہونا چاہئے لیکن صلی جیز جمہوریت کی بجائی ہے۔ اگر ایک طرف کسی امید وار میں کوئی اور خامی نہ ہو سو اس کے کہ وہ عورت ہے اور دوسری طرف مرد امید وار میں کوئی خوبی نہ ہو سو اس کے کہ وہ مرد ہے تو اس صورت میں اس کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہ جاتا کہ خالون امیدوار کی حمایت کی جائے یہی وجہ ہے کہ ہم محترمہ خاطر جناح کا صاف نہ رہے ہیں۔“
سادہ لفظوں میں رکھئے تو یہ عبارت تین دعووں کا جموعہ نظر آئے گی۔

(۱) صلی اور اہم ترین مقصود جمہوریت کی بجائی ہے!— اقامت دین حکومت الہیہ خلافت علی منہاج النبوة وغیرہ کے بجائے گویا اب نصب العین جمہوریت قرار پائیا!

(۲) محترمہ بہر عرب سے خالی عملًا معصوم ہیں۔ بھر ایک عیب طبعی اور غیر اختیاری یعنی اپنی نمائیت کے صاحبیت و تقویٰ و اتباع سنت کا یہ نیا مادل بیسویں صدی میں خوب ہاٹھ آگیا!

(۳) صدر موجود ہر خوبی سے خالی ہیں۔ بھر ایک امر طبعی اور غیر اختیاری یعنی جس مذکور سے ہوتے کے سے گویا اگر دھماں نہیں تو اس کے نقیب و مقدمہ الجیش تو ضرور ہیں۔

مگر ہمیں لوگوں کو لے جانے کے بعد بھی پاسپورٹ بنکرنیں آیا۔ طلوع ایک روز کہنے لگا کہ ”بگر صاحب! آپ نے سفر پاکستان کے لئے میسون کا بھی انتظام کر لیا ہے؟“ — بگر صاحب میں بولا۔ ”بھائی میسون کا بھی انتظام ہو ہی جاتے ہیں اصل چیز تو پاسپورٹ بننا ہے۔“

دیکھا آپ نے۔ بگر پاسپورٹ کو اصل چیز کہہ رہا ہے اور محاورہ دن رات اس طرح بولتے ہیں مگر کیا آپ کہہ سکتے کہ پاسپورٹ بجا سے خود کوئی مقصود ہے۔ اُنہیں تو بھا پاسپورٹ کی کوئی عمومی سی بھی مقصدی اہمیت کسی کے لئے بھی نہیں۔ مگر پاکستان جانے کے مقصد کا اختمار چونکہ پاسپورٹ پر ہے اس لئے اس نے اسے ”اصل چیز“ کہدا یا اوسی ذہنی مرضیں کے علاوہ کوئی بھی صحیح الدین اخلاق پر طرز و اعتراض کے تیر نہیں جلا سکتا۔

روزگر کی زندگی میں آپ قدم قدم پر الیسو مثالیں دیکھ سکتے ہیں جن میں حصولِ مقصد کے وسائل و ذرائع کو ”اصل چیز“ تصور دیا جاتا ہے حالانکہ وہ حضن وسائل و ذرائع ہوتے ہیں مقصود اور نصب العین نہیں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدق نے جن الفاظ کی مولانا مودودی کے فقرے میں ٹھیک ہے وہ ذریعہ استی کا اختلاف ہے وہ نہ یہ نہیں کہ جس چیز کو ایک شخص ”اصل چیز“ قرار دے وہ لازماً ”اہم ترین مقصد“ بھی ہے۔

پھر جعلی ہم صدق کے ناجائز احتفاظ کو لیل بھر کے لئے جائزی مانے لیتے ہیں مگر اس سے بھی صدق کے اعتراض میں کوئی وزن پیدا نہیں ہوتا مسئلہ، قانون، عقل، عام اور دین و شریعت ہر اقیار سے یہ بات سلم ہے کہ اہم تر مقاصد کا اختصار جن امور پر ہو اکرتا ہے وہ امور بجائے خود مقصودی اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً اذان اور وضو حضن وسائل ہیں نماز ایسا جس کے لئے ملک فقہاء اخیں عبادات مقصودہ کے خلاف میں رکھا۔ پھر نماز اور روزہ وغیرہ بھی غور کیجئے تو مقصود اصلی نہیں بلکہ مقصود اصلی ہے رضاۓ آئی کا حضول۔ مگر رضاۓ آئی جو کہ ان چیزوں پر خصہ ہے اس لئے ہم سب اخیں جلاتا۔

وہ مولانا دریابادی کے اس شہزادے کا مطالعہ کر کے اس کے سوا پچھڑ کہہ سکیں گے کہ یا تو مولانا نے قصد ایسا ہے شریعت کی ہے۔ قارئین کو دھوکا دیا ہے۔ یا ان کی اپنی ہی فہم و فراست کے آگے کی شخصیت کا تعصیب دیوبن کو کھڑا ہو گیا ہے جسکے نتیجے میں وہ عدل و دیانت اور عقل و تدبیر کے ساتھ سخراور استہزا پر اُمر آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فنکر کی کچھ رذوی سے بحث ہے۔ ہم تو قع نہیں کر سکتے تھے کہ مولانا دریابادی جیسا سالم الطبع، نیک نیت اور شریعت عالم مولانا مودودی کے فرمودات سے وہ گھٹیا اور شرمناک سلوک کرے گا جو بلیل الدین بمعنی علمائے دیوبن کے فرمودات سے اور کوتاہ عقل دیوبنی جماعتِ اسلامی کے لطیجی سے کر تھیں۔ لیکن تو قع کے خلاف حادثہ پیش آہی گیا ہے تو اب ہماری بھی یہ ذمہ داری ہے کہ عامتِ اسلامیں کو فریب نہیں کی زد سے بچائیں اور اپنے قلم کو ایک ظلم کے دفاع میں استعمال کریں۔ واللہ التوفیق۔

مولانا نے تقریب کے اقتباس سے تین دعیے اخذ کئے ہیں اور اپنے ذہنی طریقہ ریاض کے ساتھ اخیں غبردار ترتیب فرط اس فرمایا ہے۔ آئیے ہم بھی اسی ترتیب سے ہر ہر نمبر پر خود منکر کریں

پہلادعوہ

(۱) مولانا مودودی نے صرف یہ سادہ ساجدہ کہا تھا کہ۔

”اصل چیز ہمپوریت کی جگائی ہے۔“

مگر صدق نے بلا وجہ اعتراض کرنے اور اپنے بیسیاد استدلال کی قوت بڑھانے کیلئے اس میں ”اہم ترین مقصود“ کا اختصار کیا۔ حالانکہ ہر ”اصل چیز“ اہم ترین مقصود نہیں ہو اکرتی۔ مشکل زیداً اگر یوں کہتا ہے کہ عذرہ فضل حلال کرنے کے لئے ”اصل چیز“ رذغیرز میں ہے تو کیا اس کا مطالب یہ ہو گا کہ زمین بجائے خود اہم ترین مقصود بن گئی اور عذرہ فضل حلال کرنے کا مقصد پس پشت چاپڑا!

بگر پاکستان جانے کے لئے پاسپورٹ بنوانا چاہتا تھا مگر

”ٹرک راستنیں ایک جگہ پندرہ منٹ کے لئے رکے گا۔ اس پر اعتراض نہ ہو تو یہ صاحب تیجھے چڑھ جاتیں۔“ الف بیتاب ہو کر بولا۔ ”پندرہ منٹ ٹرک کر جی یہ پانچ بجے تک تو مظفر نگر پہنچا ہی دے گا؟“ ”جی ہاں پانچ سے پہلے ہی پہنچا دیگا۔“ درائیور نے جواب دیا۔

”بس تو پھر اصل مقصد تو پانچ بجے تک پہنچ جانا ہے چلو جیسا تھا را بہت بہت شکریہ۔“

اس واقعہ پر خور کرو۔ یہ واقعہ ایسا تو نہیں جس کے پیش آئنے میں نا محنتات کی دیوار حائل ہو۔ نہ اس واقعہ کا کوئی مرکالمہ ایسا ہے جس کے باقیے میں تم کیر کر سکو کہ اس طرح کسے کام کے عالم زندگی میں پیش نہیں آتے۔ جو لعنتوں پر ہی عام قسم کی ہوتی اور آئے دن ہمیں ایسی لعنتکار سے واسطہ پیش آتا رہتا ہے۔ اب دیکھئے کی بات یہ ہے کہ الف کا اصل مقصد مدعا تو بھا بخے تو ملازدہ دلوانا تھا۔ سفارش بجائے خود مقصد نہ تھی نہ دیوبند سے مظفر نگر تک کا سفر مقصد تھا۔ اس کے باوجود تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے پانچ بجے تک مظفر نگر تک پہنچ جانے ہی کو ”اصل چیز“ اور ”اصل مقصد“ کہا۔ اور یہ بھی دیکھ رہے ہے میرکہ ٹرک درائیور یا شریف آدمی کو اس پر کوئی تحریر نہیں ہوا حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ سفر بجائے خود مقصد نہیں پڑا اکتا بلکہ کسی مقصد کا ذریعہ ہو اکرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ہر شخص یہ بھی جانتا ہے کہ جس ذریعے پر کسی مقصد کا انعام ہوا سے بجائے خود مقصد کا اہمیت ہاں ہو جاتی ہے اور جب کوئی شخص اس کی اہمیت کا الہام ”اصل چیز“ اور ”اصل مقصد“ جیسے الفاظ میں کرتا ہے تو یہ غلط بہیں نکلتا کہ اب اس نے اسی ذریعے کو لفہب العین قرار دے لیا ہے اور اہل مقصد کو مسترد اور منسوج کر دیا ہے۔ مولانا مودودی کا لفہب العین دنیا جہاں کو معلوم ہے۔

اس لفہب العین کی طرف پیش قدی ایسے ہی جہوری نظام میں ممکن ہے جس میں دھاندی اور جبر نہ ہو۔ آخریت نہ ہو۔ خصوصاً

مقصودہ کا نام دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی بندگی پیوں ہے لیگیں کہ جن لوگوں نے اذان اور صلوٰۃ عبادت مقصودہ کہا ہے انھوں نے گویا نماز کی مقصودیت سے انکار کر دیا ہے یا جن لوگوں نے نمازوں کے عبادات مقصودہ کہا ہے انھوں نے گویا رضاۓ آئی کے مقصود علیا کی نعمی کر دی ہے تو بتایے ایسے نکتہ سنجوں کو آپ دانشور کہیں گے یا ناطراً عقول؟

ہمیں اذنشیہ ہے کہ صدق کے قارئین میں طبی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہو گی جو پر اتری سطح سے اوپر بیٹھاں نہیں سمجھ سکتے اس لئے ہم اسی شطح کی چندر مثالوں سے اپنی آتے واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الف کو اپنے بھائیجے کی ملازمت کے سلسلہ میں ایک آفسر سے سفارش کرنے ٹھیک پانچ بجے مظفر نگر پہنچتا تھا۔ دیوبند سے مظفر نگر اس تقریباً ایک ہفتے میں پہنچتی ہے۔ الف بس اسٹیشن پر پونے چار بجے پہنچا تو معلوم ہوا کہ مظفر نگر کی پیرا بھی ابھی روانہ ہوتی ہے اور سارے چار سے پہلے کوئی اور بس ہمیں جاتے گی۔ یہ سنکر اس کا دل بیٹھ گیا۔ پھرے پر ہوا تیار چھوٹنے لگیں۔ پاس ہی ایک شریف سے آدمی کھڑے تھے۔ انھوں نے اس کی پرشیانی محسوس کی تو کہنے لگے۔

”اک صورت تو ممکن ہے۔ وہ سامنے جو پھروں سے لدا ہوا ٹرک کھڑا ہے وہ ابھی ابھی مظفر نگر ہی جا رہا۔ آپ چاہیں تو میں اس کے درائیور سے معاملہ کر دوں۔“ ”ضرور کردار یجھے۔ میں آپ کا احسان مند ہوں گا۔“ ”مگر ڈرائیور کی سیدھی پر تین آدمی پہنچے ہو گے ہیں آپ کو جگہ نہیں سکتے گی۔ تکلیف گوارا فراسکیں تو پچھے پھراؤ پر چڑھ کر بیٹھنا ممکن ہے۔“ ”شریف آدمی نے کہا۔“ ”کوئی مصلحتاً تقدیم نہیں۔ اصلی چیز تو پانچ بجے تک مظفر نگر پہنچ جاتا ہے۔ نکل کر بھی سفر کرنا پڑے تو بندہ تیار ہے۔“

شریف آدمی نے ٹرک درائیور سے بات کی، ڈرائیور بولا۔

تو طاکٹر کا بھی اور طلحہ کے بیٹے کا بھی صرف اور صرف یہ ہے کہ مریض پوری طرح مقصودیاب ہو جائے لیکن طاکٹر موجودہ مرحلے میں کہتا ہے کہ جسیز تو بخار کاٹوٹا ہے۔ طلحہ کے بیٹے نے اس پر یہ نہیں سوچا۔ نہ تم سوچوگے کہ ایسا کہہ کر طاکٹر نے اصل مقصد کی نقی کی ہے۔ کوئی بھی صحیح الرایغ اس قول پر یہ بیمار کہ نہیں جڑے گا کہ لیجھے صاحب محنت کا ملک کی بیجا گویا نصب العین اب بخار کا ڈھنڈنا ترا رپا گیا۔ کوئی سخیدہ آدمی اس قول کے آنکے شانستھا اس تھاں پر نہیں کھڑا کرے گا۔ کسی ہوشمند کو یہ وہم نہیں گزئے کافر طاکٹر اپنے منصب سے ہرث گیا ہے۔ مگر ہاتھے یہ مولا نما مودودی کی مظلومیت! ان سے سلوک کرتے ہوئے تو اچھا چھے متین و باہوش لوگ بھی ایسی بچکانہ باتیں کر گزرتے ہیں کہ ہوش و ممتاز اور عدل و دیانت کی قدر یہ سرپریت لیتی ہیں۔

تم نے بارہ یہ فقرہ سننا ہو گا۔ ”اصل چیز تو محنت ہے۔“

بتاؤ کیا محنت ”بھی بجاۓ خود کوئی مقصد ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ نہیں۔“ ”محنت“ نہ مقصد ہے نہ منزل نہ مدعا۔ مقصود و مطلوب تو وہ ثرات و حوصل ہو اگر تھے ہیں جنکی خاطر محنت کی جاتی ہے۔ لیکن کبھی یہ لطیفہ تھاری نظر سے نہ گزار ہو گا کہ اس فقرے پر کسی نے یہ داویاً مچاہی ہو کر لیجھے صاحب فلاں صاحب کے یہاں ثرات و نتائج کی بجاۓ تصدیب العین اور اہم ترین مقصود ”محنت“ ترا رپا گیا!

نہ جانے کتنی بار تم نے اس قسم کے جملے پڑھیں گے کہ آج کی جنگوں میں کل چیز ہوا تی قوت ہے۔ کیا ایسا کہنے والوں کے میں تھا کہ قلب میں بھی یہ دسو سہ گزر اکہ ان گدوں نے دشمن پر شیخ پانے اور اپنے ملک کا تحفظ کرنے کے نصب العین اور اہم ترین مقصود کی جاتے ”ہوا تی قوت“ کو نصب العین بنالحالا تک ہوا تی قوت ہو یا بڑی اور بھری قوت، یہ محض وسائل و ذرائع ہیں مقاصد نہیں۔

حتیٰ یہ ہے کہ ”اصل چیز“ کے الفاظ عام طور پر بلکہ ننانے والے فیضی بولے ہی جاتے ہیں ایسی چیزوں کے بارے میں جو

ایسے لوگوں کے لئے جو توتھ پھر، سازش اور فریب و نفاق میں یقین نہ رکھتے ہوں بلکہ امن و آئین کے دائمرے میں رہکر آسکے پڑھنا چاہتے ہوں جیوں جیوں ایسا بھی ضروری ہے ایسی صورت میں الگ مولانا مودودی یہ کہدیتے ہیں کہ ”اصل چیز“ جیوں جیوں ایسا ہی ہے ”تو یہ ایسا ہی ہے جیسے الف نے کہدیا تھا کہ اصل چیز پائیج بھے کا مظفر نگہنچے جانے سے الف کے اس کہدیتے کا مطلب اگر یہ نہیں نکلتا کہ جا بچے کو ملازمت دلانے کے مقصد سے وہ مخفف ہو گیا ہے تو مولانا مودودی کے اس قول سے یہ مطلب آخر کیسے نکال لیا گیا کہ وہ اقامت دین اور حکومت ایسیہ اور خلافت علیٰ تنہایج النبوة کے نصب العین سے ہرث کر اب فقط ”جهویت“ کو نصب العین مانتے لگے ہیں۔ اعتراض کی کوئی بنساد تو ہونی چاہتے یہ کیا کہ مولا نادر یا بادی ہوا میں گروہ لگاتے اور بے پر کے کبوتر اڑاتے ہیں۔ اُرد تو مولانا کی مادری زبان ہے۔ نہ صرف مادری زبان بلکہ وہ صاحب طرز ادیب ہیں۔ مثناق انشا پرداز ہیں۔ اس کے باوجو دموالنا مودودی کا ایک سادہ و سلیس اور بے غبار فقرہ الگ ان کے حلوق سے نہیں اُترتا تو اس کے سوا ایسا کہیجے کہ یہ کسی لاشعوری خلل اور فسیاتی بیچیڈگی کا شاخص نہ ہے!

ابھی ہم اور مثال دس گے۔ طلحہ کافی مدت سے بستر مرض پر پڑا ہے۔ بے حد تجھیت ہو گیا ہے۔ بخار کسی طرح ڈھنڈتا ہی نہیں۔ ایک دن طلحہ کا بیٹا طاکٹر سے لہتا ہے:-

”طاکٹر صاحب! کوئی طاقت کی دوادیجھے سا بامیان بے حدکر زور ہو گتے ہیں۔“

طاکٹر سوال کرتا ہے۔ ”کیا ٹپکر پھر روز بروز گھٹ نہیں رہا ہے؟“

”جی ہاں گھٹ تو رہا ہے۔“

”بس تو گھیراتے کیوں ہو۔ اصل چیز تو بخار کا ڈھنڈا ہے۔ جاؤ وہی دوادیجھے جاؤ جو نہ ہے ہو۔“

غور کر وہ طاکٹر نے کیا کہا۔ تم جانتے ہو اصل مقصد

میں شرکت کرنی ہے۔ کسی کو عدالت پہنچا ہے۔ ہو سکتا ہے انہیں سے دو کام قصہ ایک دوسرے کی بالکل ضد اوقیانی بھی ہو۔ مثلاً تم کو توانج کانے کی ایک منگ میں شریک ہونا ہو اور امر دال کو ایک ایسے جلسے کی صدارت کرنی ہو جو ناج گانے اور فحاشی کی بخش کنی کے لئے منعقد کیا جائے ہو۔ اس تناقض اور اختلاف مقاصد کے باوجود فوری سفر چونکہ پاچھوں کے لئے نقطہ اتحاد اور قدر مشترک ہے، اس لئے یہ نہیں پوچھا کہ ہر شخص اپنے اپنے مقصد سفر کی داستان بیان کرنے میں الگ جائے گا، بلکہ صرف یہ پوچھا کر اپنے اپنے مقاصد کو دلوں میں رکھتے ہوئے ذکر صرف اس کا ہوتا ہے گا کہ فلاں وقت تک دہليز پہنچا بہت ضروری ہے، پھر اسی مشترک ضرورت کے تحت موڑ کرایہ پری جائے گی۔

یہ طبیعی مثال ہے اس انبوہ کی جس کے آگے مولانا مودودی تقریر فرمائے تھے۔ فاطمہ جناح کی پشت پناہی میں ”جمهوریت“ کی منگ کرنے والے ظاہر ہے ریل کے مسافروں کی طرح مختلف مقاصد و منازل رکھتے ہیں۔ کسی کو عہدوں کی طبع ہے۔ کسی کو تجارتی منافع کی حرص ہے۔ کوئی کمیونزم کیلئے کام کرنا چاہتا ہے، کوئی اقامت دین کا شیدائی ہے۔ وغیرہ۔ ایک ایسا قدرتی بات ہو گی کہ کوئی بھی اپنے خاص مقصد کا ذکر نہ چھیڑے بلکہ زور صرف اس مشترک ضرورت پر دیا جاتا ہے جو حصول مقاصد کا اہم ترین وسیلہ ہے۔ جس پر سب کو اتفاق ہے۔ اگر مولانا مودودی اسی مشترک ضرورت ”جمهوریت“ پر زور دیتے ہیں اور اقامت دین وغیرہ کا ذکر نہیں چھیڑتے تو یہ قدرتی بھی ہے ہوشمندانہ بھی اور یہ غبار بھی۔

ایک مثال اور لو۔ فرض کر دیکش حصہ نے موقع پاک ہزار آدمیوں کے ہاتھ کسی ہٹوٹے رستے سے جکڑ دیتے اور پہاڑا کیا کیہی دیتے جسیں فراؤ دہليز پہنچا بہت ضروری ہے۔ ماں لوپاچ آدمی ایسے چھپنے چھٹنے لیٹ دہليز پہنچنے پر ٹھاٹھا رہا جاتا۔ یہ کجا ہو کر مشورہ کرتے ہیں کہ چلتے ہم لوگ کوئی موڑ کرایہ پر لیکر بر قوت دہليز پہنچنے کی سعی کریں۔

اب ادازہ مکرو۔ ان میں سے ہر ایک کا مقصد سفر جدا گانہ ہے۔ کسی کو تجارتی سلسلہ میں دہليز پہنچا ہے۔ کسی کو تجارتی

مقصود و مطلوب حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہوں نہ کر خود مطلوب مقصود ہوں۔ پھر یہ کسی نکتہ سنجی اور سخن فرمی ہے جس کا منظاہرہ صدقہ نہ کیا ہے۔

ایک نکتہ اور سمجھو لو۔ الف کے معاملہ میں تم نے دیکھا کہ وہ اپنا مقصد بیان کرنے بغیر مظہر نگر پہنچنے کو ”اصل چیز“ کہہ رہا ہے اگر بس اسٹینڈ پر اسے اپنا کوئی بے تکلف دوست یا عزیزی مل گیا ہوتا تو عین مکن تھا کہ وہ اس سے سب کچھ بیان کر دیتا۔ لیکن جنبی لوگوں سے بیان کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی اسی طرح مولانا مودودی کے باسے میں خیال کر کر وہ جماعت اسلامی کی کسی منگ میں تقریر نہیں فرمائے ہیں بلکہ ایک ایسے جمع میں تقریر فرمائے ہیں جس کا کوئی ذہنی تعقیل ”اختیار دین“ کے کاڑ سے نہیں۔ یہ ہزاروں لوگ اپنے اپنے الگ مقاصد اور مفادات رکھتے ہیں۔ ان کے لئے اگر کوئی قدر مشترک ہے تو وہ ”جمهوریت“ ہے۔ ایک ایسا ناظم سلطنت ہے جس میں وہ اپنے مقاصد کے لئے خاطر خواہ دوڑھوپ کر سکیں اور کافی قانونوں کی دیواریں ان کی راہ میں حائل نہ ہوں۔ ان سے خطاب کرتے ہوئے بالکل غیر قادر تی اور یہ کسی غیر حکیما نبات ہوتی اگر مولانا مودودی حکومت الہبیہ اور اقامت دین کی رائی اللائیت لگتے۔ بالکل قادر تی اور یہ کسی داشمند انہ بات یہی تھی کہ انھوں نے ”جمهوریت“ پر زور دیا۔ اس جمهوریت پر جو اس وقت تمام حاضرین کے لئے نقطہ اتحاد اور تعاون کی قدر مشترک بنی ہوئی تھی۔

فرض کرو اسٹینشن اسٹریٹ اعلان کرتا ہے کہ دہليز جانے والی گاڑی چھپنے لیٹ ہے مسافر صبر کریں۔ یہ اعلان مسافروں میں اضطراب کی لہر دور ادیتا ہے۔ ان میں سے متعدد ایسے ہیں جنہیں فراؤ دہليز پہنچا بہت ضروری ہے۔ ماں لوپاچ آدمی ایسے چھپنے چھٹنے لیٹ دہليز پہنچنے پر ٹھاٹھا رہا جاتا۔ یہ کجا ہو کر مشورہ کرتے ہیں کہ چلتے ہم لوگ کوئی موڑ کرایہ پر لیکر بر قوت دہليز پہنچنے کی سعی کریں۔

اب ادازہ مکرو۔ ان میں سے ہر ایک کا مقصد سفر جدا گانہ ہے۔ کسی کو تجارتی سلسلہ میں دہليز پہنچا ہے۔ کسی کو تجارتی

لشعب العین کا تذکرہ لے بیٹھتے تاکہ فائدہ کچھ بھی نہ ہوتا البتہ یہ رائے قائم کرنے کا موقعاً اہل عقل کو ضرور مل جاتا کہ مولانا مودودی ایک نادان آدمی ہیں جنہیں یہ بھی تمیز نہیں کہ کس وقت کی بات کرنی چاہتے۔ کیسے کرنی چاہتے۔

ان مشاہد سے وہ اعتراض بھی دور ہو گیا جو بعض کم فہمیوں کے ذہنوں میں کھٹک پیدا کر رہا ہے کہ یہ پچھلے سیاست دان اور بحاثت بحثت کے دنیادار لوگ فاطمہ جناح کو صادر بنانے میں کامیاب ہو ہی جاتیں اور جمہوریت تشریف لے ہی لئے تو اس سے جماعت اسلامی کی "حکومت الہمیہ" کیاں سے پیدا ہو جائے گی۔ یہ سب تو خود دنیا پرست ہیں۔ بدکروار ہیں۔ ایسے ہیں ویسے ہیں۔ پھر کیا فائدہ کہ جماعت اسلامی پاکستان جمہوریت کی مانگ میں ان کے ہاتھ مجبو طکر رہی ہے۔ یعنی ان اس لئے دور ہو گیا کہ جمہوریت کی مشاہ توریں حصی ہے۔ وہیں میں ایک ڈاک بھی سفر کرتا ہے۔ قال بھی۔ باعی بھی مولوی بھی۔ صوفی بھی۔ اگر مولانا عبد الغفار تبلیغی جسے میں دہلی سے بمعنی پہنچا ہے تو وہ یہ انتظار نہیں کریں گے کہ وہی میں اس وقت بیٹھیں جب پوری ریل تبلیغ پیشہ مولاناوں سے بھری ہوئی ہو اور غیر صاف مقامہ کر لے سفر کرنے والا ایک بھی مسافر اس میں نہ بیٹھے۔ ان کی بلاستے ایک سودخوار سودھوں کرنے ایک بڑا شراب خریدنے، ایک طوائف پیشہ کرنے اور ایک کیمپنٹ کیونزم کی فروغ دینے کے مقصد سے بمعنی والی ریل میں سفر کر رہا ہے۔ وہ ان کی پرواکٹی بغیر ریل میں ضرور بیٹھیں گے اور اگر ریل اٹیشن سے اپنے وقت پر نہ چھوٹے اور یہ نوع بہ نوع مقاصد رکھنے والے مسافر لشیں باستر پر زور دیں کہ ریل کی روانگی کا جلد انتظام کیا جائے تو مولانا بھی یقیناً ان کے ہمزا ہوں گے، سا تھو دیں گے۔ بلکہ اگر یہ لوگ کتنے میں تسلیم برتبیں گے تو مولانا خود بڑھکل کہیں گے کہ یہاں تو چلا اٹیشن باستر پر زور دیں کہ جلد وہ گھاٹری کی روائی کا انتظام کرے۔

ٹھیک ہی صورت حال پاکستان میں درپیش ہے "جمہوریت"

ہیں۔ اب ایک موقع ایسا آتا ہے کہ پہرہ ہٹ جاتا ہے اور یہ میکن پہ جاتا ہے کہ سب مل کر زور لگائیں اور رستے کو توڑ دیں۔ اس وقت ان میں کا ایک سمجھد اور آدمی اٹھتا ہے اور اس زور میں موقعہ سے فایڈہ اٹھانے پر سب کو شدود کے ساتھ آمادہ کرنا چاہتا ہے یہ آدمی حمل کا حصی ہے اور اس کی زندگی کا محبوب ترین مشغله تصنیف و تالیف رہا ہے۔ اب بتاؤ اسے کیا کہنا چاہتے۔

کیا اسے یہ کہنا چاہتے کہ بھائیوں کو قلم چلانا بہترین کام ہے۔ اچھی کتابیں لکھنا انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔ لہذا تو آج ہم اس زور میں موقعہ سے فائدہ اٹھا کر متوجہ قوت سے رسہ توڑ دیں تاکہ قلم چلانے کے لئے ہمارے ہاتھ آزاد ہو جاتیں۔

یا اسے یہ کہنا چاہتے کہ بھائیوں اسی قسمت نے ایک زور میں موقعہ عطا فرایا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ اور مل جمل تحریکتے توڑ دو۔ ہمارا اصل مستحلہ اس رسہ کی توڑہ النائب تاکہ ہمارے ہاتھ اپنے اپنے کاموں کے لئے آزاد ہو سکیں۔

تم میں اگر ذرا بھی عقل ہے تو یہی کہو گے کہ دوسرا تقریر مناسب ہے۔ داشمن اس نہ ہے۔ بر جعل ہے۔ اور یہی تقریر تو حماقت پر بنی ہے۔ بھلا قلم چلانے اور کتابیں لکھنے کی فائدہ پر زور دینے کا کیا موقعہ تھا۔ مخالفین کے لئے اس میں کوئی اپیل ہو سکتی ہے۔ ہاتھوں کی آزادی سب کو محبوب ہے مگر مقرر کا اپنا مرغوب شغل یعنی تصنیف و تالیف سب کے لئے باعث کشش نہیں لہذا متحده کو شش بر احجار نے کے لئے وہی پہلو زور دینے جانے کے قابل ہے جس میں سر کے لئے کشش ہو۔ اس پہلو پر زور دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو گا کہ مقرر نے اپنے شخصیوں شغل سے مستبرداری دیدی ہے۔

اچھا تو اس تکشیل میں اور پاکستان کی زیریحث صورت حال میں بتاؤ کیا فرق ہے؟۔۔۔ پچھلی تو نہیں۔ بھر کھلا مولانا دریا بادی کے اعتراض کی حقیقت اس کے سوا کیا تابت ہوئی کہ جو تقریر حکمت و دانائی کے عین مطابق تھی اور جس میں فاضل مقرر نے مخالفین کے احوال اور وقت کے تقاضوں کی حکیمانہ رعایت رکھی تھی وہی انھیں لا لیت گرفت نظر آرہی ہے۔ ان کا مشاہدہ یہ ہے کہ بجائے جمہوریت کے مولانا مودودی اپنے معروف

لئے جمہوریت کے موافقی راستہ متصور ہی نہیں ہے۔ آج کے بلند بانگ زبانوں اور خادمان دین الارسلان کو تخت نشین اور معزز دیکھنے کی کوئی پسچی ترطیب اور گھری تمثیل کھٹے تو پاکستان میں لڑی جانے والی آمریت اور جمہوریت کی جنگ کے لئے ان کا انداز نظر خاصاً متین اور نفکر آمیز ہوتا۔ نہ کہ ایسا تفریحی اور طفلانہ جیسا کہ نظر آرہا ہے۔

قرآن و حدیث کی مثالیں

جو کچھ ہم کہے چکے ہیں وہ اگرچہ کافی شافی ہے اور تو یہ ضروریوں سے کسی بولی تسلیم کرنے میں شامل نہ ہو گا کہ واقعی مولانا دریا بادی نے صریح زیادتی کی ہے۔

تاہم اس زیادتی کو مزید غایاں کرنے کے لئے کچھ مثالیں قرآن و حدیث سے بھی ہم ضرور دیں گے۔
آغاز قرآن ہی میں فرمایا گیا ہے۔
"إِنَّ الَّذِينَ كُفَّرُوا سَهْلَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَلِيٰ يُبَاهُ"

(جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو لے جمیں تم دراؤ یا نہ درا تو سب برابر ہے وہ ایمان لانے والے ہیں ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کافوں پر ہر ہر یہ لکھا ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔)

اب ملا حظہ فرمائیجتے۔ اللہ نے یہ وضاحت تو نہیں فرمائی کہ ہم ان کا فروں کے باشے میں کہہ رہے ہیں جن کے لئے لوح تقدیر میں دامنی کفر لکھا چکا۔ ایسا کوئی لفظ کوئی حرف کوئی اشارہ آیت میں موجود نہیں۔ نہ آگے پیچے کوئی آیت ایسی موجود ہے جو اس معنی پر دلالت کرتی ہو۔ اب اللذین کفر دا کا سادہ سامطلب یہی تو ہے کہ "جن لوگوں نے کفر کیا۔" اس کے دائے میں ظاہر ہے تمام یہی کافر آجائتے ہیں۔ لیکن اہل عقل نے اس پر یہ وادیا کبھی نہیں پھاتی کہ تیجتے اللہ میاں بھی نتوذ باللذکسی علظیمی کریں کہ

کی مانگ کرنے والے چاہے ہیں کتنے ہی مختلف انتیال ہوں۔ ان کے اپنے اپنے مقاصد کچھ بھی ہوں مگر جمہوریت کی روی ہی انھیں کے لئے جاسکتی ہے۔ یہ وسیلہ سب کے لئے قدر مشترک ہے، اہذا جس طرح مولا ناعبد الغفار پر یہ اعزاز کرنے کا حققت قرار پائے گا کہ انہوں نے روی کے سلسلے میں ایسے مجع کی ہاں میں ہاں ملانی جس کے اکثر و بیشتر افسر ادمولنا کے اپنے مقصد سفر سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اسی طرح مولا نا مودودی پر یہ اعزاز کرنا الغیر کہلاتے گا کہ اکثر عوام ان کے مقصد اقاہت دین اور حکومت الہیہ شیرہ سے کوئی دیسی نہیں رکھتے پھر بھی وہ ان کی لئے میں نہ ملا ہے ہیں۔ انھیں تعاون دے رہے ہیں۔

پھر یہ نکستہ بھی سمجھ لوسے روی کے سفارجن مقاصد کیلئے کسی دوسرے مقام پر جا رہے ہیں صورتی نہیں کہ وہاں پہنچ کر وہ سب اپنے مقاصد میں کامیاب ہو ہی جائیں۔ عین ممکن ہے کہ مولا ناعبد الغفار بھی پیغام مگر کسی عذر کے باعث جلسہ ہی ملتی ہو جائے۔ یا جلسہ ہو گر تشریپ لوگ اس میں ملطیح چاہ دیں۔ یا یہ طبق جلی نہ پچھے مگر مولا نا کی تقریر تبلیغی مقاصد کو پورا کرنے میں ناکام رہے۔ سب کچھ ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔ تم دن رات دیکھتے ہو ہو گر آدمی وسائل اختیار کرتا ہے مگر بارہ ناکام نہ ملنا دردہ جاتا ہے اسی طرح عین ممکن ہے کہ جس جمہوریت کی خاطر مولا نا مودودی نگ و دو کر رہے ہیں اس کی آمد کے بعد بھی اقاہت دین کی تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو۔ کوئی اور آفت راہ میں ہائل ہو جاتے۔ کوئی نئی افتاد پڑ جائے۔ کوئی حادثہ آدی پڑے یا لیکن ناکامی کے امکانات کی وجہ سے مولا ناعبد الغفار سفلتوی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح مولانا مودودی یہ نہیں کر سکتے۔ اور نہیں کرنا چاہیے کہ ناکامی کے اندریوں سے دل گرفتہ ہو کر کوئی میں بھیر رہیں اور جمہوریت کی جدوجہد میں اباۓ وطن کا ساٹھ نہ دیں۔

جمہوریت اپنی نیوڈ کے لئے آئین کا کوئی سا بھی جامہ پہنے وہ بہر حال عبارت ہے رائے عالم کے احترام سے اسلام زیر زمین سرگرمیوں، سازشوں اور دہشت پسندیوں کا حامی نہیں اسلئے اسے سر بر سلطنت پر جلوہ اور اکرنے کے

ان کا اندازہ غلط ثابت ہوا اور ایک بلند پایہ ادبیت عالم نے اخین کھرڑ ہی دیا۔

دوسری مثال اسی سورہ لقر کے چوبیوں کوئی میں دیکھئے۔ فرمایا گیا کہ :-

”یا ایلہا الذین آمنوا... لے اہل ایمان خرج کروال اللہ کی راہ میں اس مال و منال سے جو ہم نے تھیں عطا کیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جب نہ خرید و فروخت ہے نہ آشنا ہے نہ شفاعت ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہی ظالم ہیں۔“

اب الگر مولانا یا باری کی طرح آپ دیگر آیات اور عقلی و علمی قرآن سے یکسر منہضہ مولیں تو اس آیت سے اسکے سو آخر کی ثابت ہو رہا ہے کہ قیامت میں صفارش کا وجود ہی نہ ہو گا۔ لیکن یہ بات مسلسلہ طور پر نادرست ہے اور ہم رب جانتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی تفصیل سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کی اجازت سے قیامت میں بھی صفارش کا اک مسلسلہ علی گا اور اس صفارش کے شروع بھی نکلیں گے۔ پھر اسکے بعد آیت کے صحیح مفہوم مراد تک پہنچنے کی کیا صورت ہے کہ آپ سطح بیرون کی طرح اسی ایک آیت میں مجود نہیں بلکہ دوسری آیات کو دیکھیں۔ شان نزول کو دیکھیں۔ سبق دیاق کو دیکھیں اور حصر اس نکتہ تک پہنچنے کے شفاعت سے بالکلیہ انکار کا یہاں کیا مطلب ہے۔

اسی طرح مولانا مودودی کے معتبر فیصلے کا صحیح نہشنا بہ آسانی بھاگا سکتا تھا اگر دماغ کے سوراخ بند نہ کر لے جاتے اور موقع محل کو نظر انداز نہ کر دیا جاتا۔

آئئے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام بلاعث نظام میں حقیقی چاہیں مثالیں آپ اس کی طہون ڈالیجئے کہ وہ مخاطب کی حالت اور وقت کے تفاہیوں کا لحاظ فریات ہے بھروسے مجلس و محض کلام فرماتے تھے اور بہت ہی اسی تفصیلات حذف کر جاتے تھے جن کے متعلق اطمینان ہوتا تھا کہ سامعین کی عقل ان تک خود ہی پہنچ جائے گی۔

آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں

ہیں۔ بے شمار کافر حضور کی تذریز سے ایمان لا کر ”صحابی“ کہلاتے اور ہم پیر بڑوں کی بعثت کا مقصد و منشار ہی یہ ہوتا ہے کہ اپنے کفر ایسا نہ لائیں پھر بھی اللہ فرمائے ہیں کہ چاہے ٹھراویا نہ ڈراو کافر ایمان لانے والے نہیں ہیں!

ایک بار مولانا دریا باری کا اعتراض پھر دہرا لیجئے۔ وہ یہی تو کہہ رہے ہیں کہ مولانا مودودی نے اپنی ذیر بحث تقریب میں اقامت دین وغیرہ کا ذکر نہیں کیا فقط جمہوریت کی تات کی اور اسی پر زور دیا، لہذا جس چیز کا ذکر ہی الفاظ کی صورت میں نہیں ہے اسے ہم شاہ فہم کیسے کریں۔ ہم تو فقط الفاظ کی حدود میں رہیں گے اور کلام کے مضمونات و محدودفات کو تسلیم نہیں کریں گے۔

اب دیکھئے کہ یہی روش الگرند کو رہ آیت کی تفسیریں اختیار کی جائے تو منعوذ باللہ کلام الہی ہی خلاف واقعہ اور لغو ہوا جاتا ہے۔ تمام مفسرین نے اسی لئے اس آیت کو اس حکیمانہ اور بلیغ کلام کے خاتمے میں رکھا ہے جس کا تکلیم بعض تین کو اس لئے حذف کر جاتا ہے کہ چننے والے اخین خود ہی اخذ گرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ کوئی بھی صحیح الہام اتنا احمد حق نہیں ہو سکتا کہ انَّ الَّذِينَ كُفَّارُوا سَمَّ

ہی کافر مرادے لے اور یہ نہ خیال کرے کہ جب بشیار کافر ایمان لائے جائے ہیں تو اس آیت میں ”اہل کفر“ سے قیباً وہ خاص معانی مراد ہوں گے جن کا ذکر الفاظ میں موجود نہیں ہے۔

اسی طرح مولانا مودودی بھی جانتے تھے کہ کوئی بھی صحیح الدلایل اتنے عقل نہیں ہو سکتا کہ جمہوریت کا اصل شے قرار دینے کی بات میں کسی مطالبہ و منشار بھی نہ سمجھ سکے گا کہ جمہوریت کی طلب کس لئے ہے۔ نہ وہ تصور کر سکتے تھے کہ باقتوں ہاتھ اقامت دین اور حکومت آئندیہ وغیرہ کا ضمیمه اخنوں نے شامل تقریر نہ کیا تو مرد عایہ سمجھ لیا جائے گا کہ اقامت دین کا فضلہ العین منسوخ کر دیا گیا۔

مگر اس کو کیا کیجئے کہ مولانا مودودی خدا نہیں ہیں

بھی بہت سی شرائط میں مگر حضور نے اس موقع پر ان میں سے کسی بھی شرط کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت فرماتے ہیں چنانچہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔
کیا پھلی کھانے والا اتفاقی کافر ہو جاتا ہے؟ — نہیں اسکے کفر و ارتاد کا نتیجی آج تک کسی عالم نے نہیں دیا مگر حضور نے اس موقع پر ایسی کوئی تصریح نہیں کی جس سے یہ نظر اپر ہو جاتا کہ چلن خر کے لئے داخلہ جنت کی بندش کا یہی سبھیک طلب کیا ہے۔

پھر؟ — آخر کیا طریقہ ہے جو اہل علم نے ان ارشادات کی تھے تک پہنچ کے لئے استعمال کیا ہے۔ یہی ناکہ حضور کی یگر تعلیمات کو دیکھا۔ دیگر فرمودات پر غور کیا۔ اسالیب سمجھے پھر ایک جاتا تینجہ اخذ کیا کہ فلاں ارشاد میں کن کن امور کو حذف رکھا گیا ہے۔ کن کن تفصیلات کو سامعین کی عقل پر پھرپڑ دیا گیا ہے اور کون سے قول کی کیا مراد ہے۔

ایک مولانا مودودی ہی ایسے رہ گئے ہیں جن کے اوال پر اعتراض کے تیرچلاتے ہوتے اچھے اچھے فاضلین بھی علم و متأثت کے مباری تک کو ظرازداز کر جاتے ہیں ورنہ کون نہیں جانتا کہ کسی کے قول کی تفسیر و تصریح اس بے دردی افتخار اُنگری اور بے انصافی کے ساتھ نہیں کی جاتی جس کا نظاہرہ صدق نہیں کیا ہے۔

دوسرہ اور تیسرا اعتراض

پہلے اعتراض کا وزن آئیت دیکھ لیا۔ اب ورق الٹ کر دوسرا اور تیسرا اعتراض پھر ایک بار پڑھ لیجئے۔ ان دونوں کا تحریک کرنے سبق یہ اعتراض ہم ضرور کریں گے کہ جب پہلی بار ایک پاکستانی جریدے میں مولانا مودودی کی تقریبہ ہم نے پڑھی تھی تو اس کے زیر بحث فقرنوں میں کچھ اجنبیت کی سی جملک ہیں بھی نظر آئی تھی اور محسوس ہوا تھا کہ مولانا موصوف عکس حالات میں حصہ میں اور جب تک پاکستان کے عادی ہیں ان کی سطح میں اور ان فقernoں کی سطح میں تھوڑا سا بعد ہے۔

داخل ہو گیا۔ اس موقع پر اس تفصیل میں نہیں گئے کہ ایمان کے لئے پچھا اور بھی شرائط ہیں۔ نہ یہ وضاحت فرمائی کہ دخول جنت سے مراد خوری داخل نہیں ہے، بلکہ بداعمالیوں کی سزا بھیتے کے بعد داخل ہے۔ اب اگر مولانا دریابادی کی منطق استعمال کی جائے تو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطلب اتنا پڑے گا کہ ایمان کے لئے اور کوئی شرط نہیں ہے۔ حشک رسالت پر ایمان لانا بھی شرط نہیں بلکہ فقط لا الہ الا اللہ کہ دینا کافی ہے اور اس کے بعد نہ کوئی عذاب پہنچا نہ احتساب۔ سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے۔

اگر یہ مطلب کسی کو درست معلوم ہوتا ہے تو یہ شک ۲۰ مولانا مودودی پر کئے گئے اعتراض کو بھی درست مان لے۔ مولانا مودودی کا تصویر بھی فقط بھی ہے کہ اس تقریب میں انھوں نے امامت دین کی راگئی نہیں حچھیری یعنی جہوڑی پر تو زور دیا مگر یہ توضیح نہیں کی کہ یہ امامت دین ہی کے نقطہ نظر سے جہوڑی پر زور دے رہے ہیں۔ لیکن اگر یہ مطلب لغو باطل ہے اور اس ارشاد پیغامبر کا مفہوم سمجھنے کے لئے ان کی دیگر تعلیمات و تصریحات کو ملائی رکھنا ضروری ہے تو مولانا مودودی آخر کیوں اس کے سزاوار نہیں کر ان کی کسی تقریب، کسی تحریر، کسی تصریح سے اور لفظ کا مہما اور مراد سمجھنے کے لئے ان کی دیگر تصریحات کو سامنے رکھ لے سکتے۔ انھوں نے تو کوئی ایسی بات بھی نہیں کی تھی جو بظاہر متفاہد معلوم ہے۔ قرآن اور حدیث میں بے شمار ایسی نصوص ہیں جو بادی النظریں متفاہد اور متفاہم معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کے ساتھ اہل علم و فہمے وہ ظالمانہ اور مسخر آمیز سلوک نہیں کیا جو صدق مولانا مودودی کی تقریب سے کر رہا ہے وہ گہرائی میں اُترے۔ توجیہ و تبیین کی اور حقائق کو نکھارتے چلے گئے۔

ایک بڑھی عورت آتی ہے۔ حضور اس سے سوال فرماتے ہیں کہ اللہ کہاں ہے۔ وہ انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر دیتی ہے۔ بس اتنے ہی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کہاں ہے۔

کیا واقامی نقطہ اتنا جان لینا مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے کہ اللہ اور پر ہے؟ — نہیں۔ مسلمان ہونے کے لئے تو اور

چلا رہے ہیں۔ کتنے گھٹیا ہے مجھ میں ”دارالھیوں“ پر طنز کر رہے ہیں اور کس بیساکی مسے مولانا مودودی پر غداری، فتنہ انگریزی اور انشتار پسندی کا بہتان و حصر ہے ہیں۔ تو اس شدید سے اعتراض کی نوبت دلتی۔ مولانا مودودی نے ایک چلتا ہوا ”فقرہ کہا تھا جو زیادہ سے زیادہ اس کا حق تھا کہ میرے صدق کے ہونٹوں پر خففت سا استہرانی تبسم آ جاتا۔ لیکن انھوں نے قسم کو تھوڑے میں اور قمقوہ کو بہتان و افرا میں ایسا بدلا کر ناطقہ سر بر جگہ بیان ہے اسے کیا کہتے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر موقع محل، پس منظر اور پیش منظر سب کو نظر انداز کر کے مولانا مودودی کی تقریر کو پروفاعت اعراض بنانا ہی تھا تو معموقیت اور عمل و دیانت کا پھر تو لحاظ بہر جال رکھنا چاہئے تھا لیکن میں کامیل بیانا اور راتنی کو پہاڑ بنانے کر دھاتا تو کوئی سمجھدگی نہیں۔ دیانت اور انعامات نہیں۔ اپنے شاید دیکھا ہو ویر اون اور صراحتی میں کسیوں کی ٹولیاں انتظار میں رہتی ہیں کہ کوئی لاش نظر کئے اور وہ اسکی پوٹیاں ریچیں۔ کوئی پیشیت لازم اگر بھوک پیاس کی شر سے چکا اگر گر گیا ہے تو یہ کرگ بعض حالتوں میں زندہ ہی کی تیکابوئی مگر دلستہ ہیں اور نہیں انتظار کرتے کہ اسے مری لینے دیں۔ اسی نوع کی جاریت اور جھیٹیں کا اندازہ میر صدق کے اعتراضات میں جھلک رہا ہے۔ ہم ظلم و شقاوت کے اس نظارے پر ہر پہ نہیں رہ سکتے لہذا یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ مولانا مودودی کسی رعایت کے مستحق نہیں بہ بانگ دہل دعویٰ کرتے ہیں کہ مدیر صدق کے اعتراضات باطل ہیں۔ لغو ہیں۔ صحیح البطلان ہیں۔

فرض کیجئے آپ چند احادیث فتویں لطیفہ کی ایک خالش میں گئے۔ اُرٹ کے رکھارنگ بخوبی سے لطفاً انزوں ہوتے ہوئے آپ نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کسی صراحت سے پوچھا:-

”کیوں جناب یہ تصویر کس کی بنائی ہوئی ہے؟“
جواب ملا۔ ”زیدی“

مگر یہ بعد اتنا نہیں تھا جتنا بدری صدق کے انتہا پسند اعترافات اور معموقیت میں نظر آ رہا ہے۔ یہ میں کچھ بچوں ہی کو زیب دیتا ہے کہ چھڈا کر لیوے لائیں پر رکھدیں اور جب ریل اس کا جنم بڑھاتی ہے فیکن لذت جاتے تو یہ فخر کے ماتھ میں کہ دیکھو ہم نے چھڈا کو پیسہ بنا دیا ہے۔

اہل نظر پر پوشیدہ نہیں کہ عام حالات میں تحریر یا تقریر کی صورت میں جواب و لجھ اور اسلامی لکھنگو اختیار کیا جاتا ہے اس میں اور خاص حالات کی لفظی میں طرز و ادائے کا پچھنہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ خصوصاً جب مناظرے اور مجادلے کی سی تکلیف پیدا ہو جاتے تو جھن نہیں ہے کہ ایک فرق کی تیغ لفڑاری، الزام تراشی، تندر کلامی اور طعن و تشیع کا پچھہ نہ پھر رد عمل دوسرا فرقی کے طرز کلام میں ظاہر نہ ہو۔ ٹرے ٹرے اسراطین علم و ممتازت کے کلام کا جائزہ لے یعنی آپ تینیادی ہیں گے کہ اگر انھیں کسی حرب زبان اور ہر طبقہ ستم کے حرف سے ساقہ پیش آگیا ہے تو انے اندراز لفڑار اور لب و تیج میں کسی نہ کسی حد تک فرق ضرور واقع ہوا ہے اما مگر غالباً، امام ابن تیمیہ، محمد الفتح شافعی مولانا شیداحمد نگوہی، مولانا حمد قادر، مولانا اشرفعی وغیرہم کے گوناگون فرمودات آج بھی ہر اور دو داں آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔ یہ حضرات جب کسی بدنہاد اور شورہ پشت مدعا کی حق دسم اور باطل نوازا قول اوفکار کی تردید کر رہے ہوتے ہیں تو کتنے ہی فرقے ان کے قلم سے ایسے تکلیف جائے ہیں تھیں اگر موقع محل سے جد اکبر کے مستقل بالذات حیثیت میں دیکھا جائے تو وہ علمی ممتازت اور بیداری کی باوقار سطح سہی ہوئے نظر آئیں گے۔ ہم ایک دونہیں چیز اس نوئے ٹری آسانی سے پیش کر سکتے ہیں لیکن بات اسی وضع اور مسلم ہے کہ جب تک کوئی مطالبه نہ کرے اس طویں کی حاجت نہیں۔ ”رعایت حکم“ علم الكلام کی ایک جانی پیچائی ہمظلماً ہے۔ مولانا دیباڈی الگریہ بھی دیکھ لیتے لکھتے تاب الیوب خان حبیب کا انداز لفڑار کیا ہے۔ وہ کس طرح الزام و افراہ کی ایک ناپاک ہم جماعت اسلامی کیخلاف

جو یہ واضح کر سکے کہ آپ زید کی تعریف بحیثیت مصوّر کر رہے ہیں اور آپ کا منشائیں ہے کہ زید دنیا بھر کے علوم و فنون میں طاق ہے پھر بھی آپ کے صحیح منشائیں کسی ہم شمند کو دشواری اور غلط فہمی پیش نہیں آسکتی تھی۔ لیکن الگ آپ ”آدمی“ کی جگہ ”مصور“ کا الفاظ رکھ کر یوں کہتے کہ:-

”زید بڑا بالکل ہی مفترض ہو جاتا۔ اب ذرا مولنا مودودی کے الفاظ بھی دوبارہ پڑھیں۔“

تب تو مدعا بالکل ہی مفترض ہو جاتا۔ اب ذرا مولنا مودودی کے الفاظ بھی دوبارہ پڑھیں:-

”اگر ایک طرف کسی امیدوار میں کوئی اور خامی نہ ہو تو اس کے کو دہ غورت ہے اور دوسرا طرف مرد امیدوار میں کوئی خوبی نہ ہو تو اس کے کو دہ مرد۔“

دیکھ لیجئے دوبار لفظ امیدوار دہرا لیا گیا ہے۔ یہ اگر فقرے میں ایک بار بھی موجود نہ ہوتا تب بھی یہ بات بالکل واضح تھی کہ تعریف اور تفہیص کا تعلق ان اوصاف اور خصوصیات سے ہے جو موضوع عن قسم کو بھی جمپوریت سے جوڑ رکھتے ہیں نہ کہ دونوں امیدواروں کی اخلاقی، سماجی، اقتصادی، منزہی اور دیگر حیثیات سے۔ لیکن جب کہ لفظ امیدوار بھی صریحاً اور متصالہ بولالیا تو فقرہ پسے تفہیم و مدعای کے لحاظ سے اتنا صاف ہو گیا جتنا آپ کا وہ فقرہ تھا جس میں لفظ ”مصور“ شامل کر دیا گیا تھا۔ ایک فقط مصوّر ہی تک بات نہیں۔ سائنس ہو۔ ریاضی ہو۔ فلسفہ ہو۔ علم حدیث ہو۔ کوئی بھی موضوع ہو۔ اس موضوع کے دو اجس کی بھی تعریف یا تفہیص کی جائیگی اسے اسی موضوع تک جو دو سمجھا جائے گا۔ بلکہ روزمرہ کا مشاہدہ تو یہ ہے کہ موضوع چاہے صراحتہ نہ کرو یا معین نہ ہو لیکن مطلق نوع کے فکر و کوئی آپ مقید کر لیا جاتا ہے۔

مثلاً آپ ایک انگریز افسر کے پاس قسمی کام جاتے ہیں۔ وہ خلاف موقع نہایت حسن اخلاق سے پیش آتا ہے اور فوری توجہ کے ساتھ آپ کا کام کر دیتا ہے۔ اس پر آپ دستول میں کہتے ہیں کہ فلاں افسر تو بہت ہی اچھا آدمی ہے۔ لیکن آپ کے اس کہنے کا مطلب کوئی تشریف آدمی یہ بھی نہ سکتا ہے کہ اپنے فلاں افسر کو غیر مشروط طور پر تصرف اچھا بلکہ بہت ہی اچھا

آپ اپنے احباب کی طرف مڑے اور کہنے لگے۔ ”یہ نہیں تو بڑا بالکل آدمی ہے۔“

فرمایا جائے کہ اس قول کے ذریعہ کیا آپنے یہ دعویٰ کر دالا ہے کہ زید نہایت علم و فنون میں کمال رکھتا ہے کیا آپ اس شخص کو صحیح الدلایل مانع بھیں گے جو اس پر اعتماد اٹھاتے کہ بیجے صاحب پر بخورد از زید کو علی الاطلاق بالکل کہہ رہے ہیں گو یا وہ بالکل مفسر بھی ہے۔ بالکل حدیث بھی ہے۔ بالکل معلم بھی ہے۔

ظاہر یا سچے کہ موضوع عن قسم کو جب مصوّری تھا تو زید کو ایک بالکل آدمی کہنے کا منشائیں کے سوا کچھ بیوی نہیں سکتا تھا کہ تعریف فقط تصوری سازی کی حیثیت سے کی جا رہی ہے اور اس سے کوئی بحث نہیں کہ زید دیگر علوم و فنون میں کیسا ہے۔ یہی معاامل تفہیص و تفہیم کا بھی ہے۔ موضوع عن قسم کو اس سے کوئی خصیص کچھ نہیں جانتا تو مطلب یہ نہیں ہو گا کہ فلاں شخص کو آپنے دنیا کے ہر علم و فن میں جاہل مطلق تھیرادیا، بلکہ مطلب صرف یہ ہو گا کہ مثلاً میں آپنے اس کے اناڑی بن کا خیال ظاہر فرمایا ہے۔

ٹھیک اسی طرح مولا نامودودی کی تعریف کو بھی پاسنا کے موجود ال وقت با جو، پیش منظر اور موضوع عن قسم کے فرمیں رکھ کر دیکھتے تو کسی صحیح الدلایل کے ذہن میں یہ وہ تک نہیں گز رسکتا کہ مولانا نامودودی کے منقول فقرے ان دورہ دعووں کے حامل ہیں جنہیں مدبر صدق نے مقطوع کر کے نکالا ہے کون نہیں جانتا کہ تقریر ایک انتخابی جلسے میں کی گئی ہے اور انتخاب کا موضوع جمپوریت ہے۔ دونوں صدر ارتی امدادیوں کے حامیوں کی تقریریں اور تحریریں اسی موضوع کے گرد گھوم رہی ہیں۔ اسی حالت میں ایک تقریر کسی امیدوار کی تحسین یا تقدیم کرتا ہے تو یہ لا محدود معنی میں نہیں ہو گی بلکہ اس کا اطلاق و انتظام صرف موضوع اور اس کے متعلقہ تک ہو گا۔

آپنے اس کا مطلب کوئی تشریف آدمی یہ بھی نہ سکتا ہے کہ اپنے فلاں افسر کو غیر مشروط طور پر تصرف اچھا بلکہ بہت ہی اچھا آدمی ہے تو الگچہ اس فقرے میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں تھا

تجویزیں بوج رہے ہیں۔ متعدد تجویزیں زیر خور آتی ہیں اور خام سچ کے نظر انداز کر دی جاتی ہیں۔ اتنے میں ایک نہایت عمدہ اور کارگر تجویزیں پڑتی ہے جسے تمام شرکاء مجلس ہر اعتبار سے لفیض خیال کرتے ہیں۔

اب بتائیے کیا اس خیال کا انہار ان لوگوں کی نہیں
اس طرح کریں گی کہ :-

”اس تجویز میں کوئی خامی نہیں“

یا اس طرح کریں گی کہ :-

”یہ تو بہت ہی عمدہ تجویز ہے“ — یہ اقیٰ
بڑی اچھی تجویز ہے۔“ وغیرہ۔

ظاہریات ہے کہ وہ لوگ قطرتاً دوسرا اسلوب اختیار کریں گے تاکہ پہلا۔ پہلا اسلوب تو اسی صورت میں اختیار کیا جائے گا جب کوئی تجویز بہت پستا ہے تو نہ ہو لیکن حصول معاکے لئے بد رجہ تجویزی گوارا اگر جا سکتی ہو۔ اسی پر مولانا مودودی کے الفاظ کو قیاس شخصیت ایوب خان کی حریف ہوتی جسے مولانا مودودی اپنے معیار مطابق کے مطابق سمجھتے تو قدرتی طور پر ان کی زبان سے اس کی توصیف و ثابت انداز میں صرف بوج طور پر مندنے میں آتی، لیکن شخصیت ابھری ہے ایک اسی خاتون کی جو معیار مطلوب سے کوئی تعلق نہیں رکھتی لیکن جمہوری نظام کی سربراہی کے اعتبار سے اس میں کوئی نقص اور خامی بھی نہیں۔ لہذا اسی صاف و مادہ حقیقت کا تذکرہ مولانا مودودی کی زبان پر آگیا ہے۔ اب الگ تجویز تاں کر کے کوئی شخص اس تذکرے کو من لئے مقابیم پہنانے لئے تو اسے تتعصب، دھاند لی اور کچھ فکری کے سوا کیا کہیں گے۔

ایک اور زاویت سے غور فرمائیے۔ ہم اور آپ۔
— اور دنیا کے تمام ہی لوگ اپنی روزمرہ کی گفتگو میں تجویز میں، بحث و مباحثت میں بے شمار ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا ایک خاص اصطلاحی معہوم معین ہوتا ہے اور

آدمی کہہ کر یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ وہ عقائد کردار، معاملات، سیاسی صورت اور تمام ہی اعتبارات سے اچھائی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ کیا آپ یہ اعزازی جو طرزِ عالمانہ جائز ہو گا کہ ایک کافر کو بہت ہی اچھا تجویز کر آپ نے دیا یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ کفر میں کوئی نحاست اور برائی نہیں۔

اگر معنی آفرینی اور منطقی موشکافی کی اقسام کو آپ فاطر العقلی کے فلسفے میں رکھتے ہیں تو انصاف مجھے کہ موقوع کلام کو نظر انداز کر کے مولانا مودودی کے سادھ اور سیدھے سادھے الفاظ کو فاطمہ جناح اور ایوب خان کی مذہبی حیثیات اور دینی کردار تک تھیج لے جانا صحیح الدین اخی کی کوئی قسم ہے۔ نقوشوں میں دوبار لفظ ”امیدوار“ موجود ہوتے ہوئے بھی مدیر صدق اگر یہ کہتے ہیں کہ فاطمہ جناح کو مولانا مودودی نے معصوم، صالح، متقدی اور متعین سنت قرار دیدا اور ایوب خان کو دجال یاد جمال کا نقیب کہ دیا تو اس کے سو اکیاں بھاجانے کیا تو وہ صدق پڑھنے والوں کو بالکل گدھا بھتھتے ہیں یا پھر اپنے ہی لئے انہوں نے یہ طرف مالیا ہے کہ دنیا کے ہر شخص کو انصاف دینے کے مگر مولانا مودودی کو انصاف کے نام کی بھی طور پر نہیں دیں گے۔ اعتراض کریں گے اور اتنے ٹھیک عقول و آہمی کی دھیان اڑ جائیں گی لہ

ایک اور روح سے دیکھئے۔ آپ میں سے ہر شخص کو بھتھ کھی کسی کی تعریف یاد رکت کرنے کا موقع پیش آتا ہے۔ ذرا باد کر کے بتا تھے کیا تھی ایسا ہوا ہے کہ کسی بلند مرتبہ بزرگ، کسی نیک نام ولی، کسی مدرس خطیب و واعظ کی مدد سرازی آپ نے ان الفاظ میں کی ہو کہ:-

”فلان صاحب میں کوئی خامی نہیں“
زور دار تعریف تو ایک طرف رہی۔ یہ الفاظ لمجری سی تعریف میں بھی استعمال تھیں لئے جاتے۔ یہ تعریف کے الفاظ ہیں جنہیں بلکہ واجبی قسم کے فاعلی الفاظ ہیں۔

ایک مثال

فرض کیجئے چنانچہ کسی بچپنہ اور ناذک مثال میں کچھ

ہے، نہ زکر کو تھا لتا ہے، نہ شریعت کے کسی اور حکم کی پابندی کرتا ہے۔ حالانکہ تمام شرعی احکام اخلاق حسنہ ہی کی اعلیٰ قسم میں داخل ہیں لیکن اصطلاحاً آپ صرف یہ معنی لیں گے کہ طلحہ بن زبیر اے تردد خرچ ہے، جھگٹ الوہی۔ نرم گفتاری اور ہمہ مردودت سے عاری ہے۔ تو واضح ہیں برداشت۔ بات بات پر بھاڑ کھلانے کو دوڑتا ہے۔

اور اسی طرح جب آپ کسی بزرگ کے لئے ولی کامل اور الام الافتخار جیسے توصیفی القاب پڑھتے اور سنتے ہیں تو یہ شبہ آپ کے دماغ میں نہیں گزرتا کہ ان بزرگ کے لئے پیغمبری کا دعویٰ کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ ہر شخص و خامی سے پاک ولاست کاملہ تو فقط پیغمبروں ہی کا حصہ ہے اور اقیاء و مصلحتی مرکی امامت و سیادت کا مقام بھی انھی کو حاصل ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اس طرح کے الفاظ حمد و مفہوم میں پولے جاتے ہیں اور ان کے استعمال کرنے والے پہنچنے اور علم العساب کی روئے اعتراضات کی پوچھار کرنا سمجھ دی ہے۔

قرآن کہتا ہے:-

إِنَّ الْمُبْدِئِينَ إِنَّمَا كَانُوا بِمَوْقِعِيْهِ خَرَجُوكُرَنَ دَائِيْ
إِنَّمَا الشَّيْطَيْنُ - شَيْطَانُوں کے بھائی ہیں۔

الْأَرْبَدِيْرِ صَدَقَ کے زاویہ نظر سے دیکھا جائے تو اس آیت کا مطلب یہ نکلے گا کہ جو بُل بے موقع پیغمبر صرف کرتے ہیں یعنی فضول خرچ ہیں وہ بنصرت کافر ہیں بلکہ یہ سے کے کافر ہیں۔ کون ہیں جانتا کہ "شیطان" کافروں کا سردار سمجھا گیا ہے۔ پھر جن لوگوں کو شیطانوں کا بھائی بند قرار دیا گیا ہو، ان کے کفر میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ ان کی ساری نیکیاں برپا۔ ان کی ساری خوبیاں بنتیجہ۔ وہ داعی ہمہ کے مزدار اور بخشش سے کلیتہ "محروم" ہے۔

لیکن لا ابیر یاں کھنکال کر بتائیے کیا ایک بھی فرضیہ اس آیت کی تفسیر اس زاویہ نظر سے کی ہے اور اللہ علی شانہ کے ارشاد کا مطلب یہ یا ہے کہ جو شخص فضول خرچ ہو وہ گویا شیطان اکبر نہیں تو شیطان رصغراً در کافروں بے دین ہڑوڑے ہے!۔

ہر شخص اس مفہوم کو ادنیٰ تأمل کے بغیر سمجھ لیتا ہے۔ مثلاً آپ یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے گناہ و معصیت کا ارزیکا کیلے ہے تو ہر سنتے والا فراؤ سمجھ لیتا ہے کہ اس شخص سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوا ہے جو دینی اعتبار سے منوع ہے یہ شہر اسے نہیں گذرتا کہ ہو سکتا ہے اس شخص سے ملکی قانون کے خلاف کوئی حکمت ظہور میں آئی ہو اور اسی کے لئے آپ نے گناہ و معصیت کے الفاظ بول دیے ہوں۔ اسی طرح جب آپ یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص جرام پیشہ ہے تو الگ چڑھائی احکام کی سلسلہ خلاف ورزی اور حرم اکاموں سے شفف بھی جرام پیشکی ہی ہے لیکن اصطلاحی استعمال کی روشنی میں ہر شخص ہی مفہوم لیتا ہے۔ اور یہی مفہوم آپ کا ہوتا بھی ہے کہ یہ شخص ان جرام میں مبتلا ہے جنہیں قانون نے "جرائم" قرار دیتے۔

کسی شخص کی زبان سے الگ آپ یہ جماہی سنیں کہ "فلاں صاحب بڑے بال کمال اور جامع الصفات بزرگ ہیں"۔ تو جب تک آپ کا دماغ ہیچ الٹ جاتے یہ مفہوم ہرگز نہیں ہیں گے کہ کہنے والے نے ان ماحسب کئے میساوت سائنس، فلسفہ، مہفوظ، نفسیات، ہدایت، ریاضی اور اخیری وغیرہ میں بھی طاق ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ حالانکہ لفظ گملال کا دائرہ تمام ہی علم و فنون تک پھیل ہے اور جامع الصفات" کے الفاظ تمام قابل تعریف اوصاف بر جاوی ہیں۔ پھر فقط "بزرگ" بھی لغتہ "صرف" بڑائی کے معنی رکھتا ہے اور کسی بھی علم و فن کے ماہر کو دنیا بڑا اکھی اور بھتی آئی ہے، لیکن ان سائے امکانات کے باوجود دروزہ کے استعمال نے طے کر دیا ہے کہ آپ ایک ہی مفہوم میں اور وہ مفہوم اسکے سوا کچھ نہیں کہ فلاں صاحب دین و شریعت کے اعتبار سے بزرگ ہیں اور اس طرح کے اوصاف رکھتے ہیں جو عباد و زراد کے لئے خصوص ہیں۔

امی طرح الگ بزرگ کی زبان سے آپ یوں نہیں کہ طلحہ بڑا بد اخلاق ہے، خوش اخلاقی اسے چھو کر نہیں کتی تو یہ مطلوب ہرگز نہ نکالیں گے کہ طلحہ نہ نماز پڑھاتا ہے، نہ روزہ رکھتا

کھلی بات ہے کہ نہیں اور بالکل نہیں۔ تعریف اور تتفیص دوں ہیں زور اور مبالغہ کے لئے مثبت طرز کلام اختیار کیا جاتا ہے ذکر منفی۔ پھر آخر میر صدق کی نکتہ آفیونی کا جو ایک فی صدقی بھی کہاں رہا۔ نہ تنگ گہبہ روی سیاست کے مضمون پر ہبہ ہی ہے۔ فقط بولا گیا "خامی" جو کسی بھی درجے میں نہیں اصطلاح نہیں اور اسلوب اختیار کیا گیا منفی و سلبی جو شدود اور مبالغہ کے لئے مرقوم ہی نہیں۔ لیکن شباش ہے میر صدق کی زبانداری اور ادب فنا سمی کو کہ صالحیت تقویٰ اور اتباع سنت تک کی بات تکمیل لائے اور جلال جیسی شخصیت کو بھی یاد فرمایا جو خالصہ نہیں پر منتظر رکھتی ہے۔ یہی ہے آذانا تو ستانک کو کہتے ہیں!

واہی اعتراضات کی حقیقت ٹھوکولینے کے بعد اب ہم یہ بتلتے ہیں کہ مولانا مسعودی کے نزدیک فقرے الگیم زیادہ تفاوت کے مستحق نہیں کیونکہ وہ ایک خاص فضما اور گرام ماحول میں پولے گئے ہیں، لیکن کوئی اعتراض پر اُتر آئے تو ان میں کوئی نفس اور الجماہ بھی نہیں نظر آتا۔ مس فاطمہ جناح ایک ایسے بھائی کی نہیں ہیں جو جمپوت کا علمبردار تھا اور کافی دنوں تک اس نے لاکھوں افراد کے دلوں پر بادشاہی کی ہے۔ فاطمہ جناح اگر ان گھبیار حجاجات کی حامل ہمیں جو امریت اور طلاق العنانی عکے جذبے کو نشوو سنادیتے ہیں تو ان کے لئے ذرا بھی دشوار نہ تھا کاراکستان سنتے ہی وزارست اور گورنری جیسا کوئی منصب حاصل کر لیتیں لیکن دنیا دیکھ رہی ہے کہ انہوں نے بھی اپنے بھائی کی مقبولیت سے ناجائز قائد سے اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ یہی شے گہبہ ریت کی جان اور جمپوری مراجح رکھنے والوں کا وصف خاص ہے پھر ایوب خاں کے دور میں انہوں نے جب بھی زبان کھولی وہ خوش اندھوں اور بچھی کی زبان نہ تھی بلکہ ایسی زبان تھی جس میں دلیل از اقدامات کے خلاف رنج کا لے قانونی کے خلاف نفرت اور جمپوری حقوق کے لئے ہمدردی کا لحدہ کروٹیں لے رہا تھا۔ اس کے بعد اخیں صدارتی انتخاب کرنے

ان تکنیکات کے بعد دیکھئے کہ مولانا مسعودی نے تعریف اور تتفیص کے لئے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ کیا ہے اور کس حد تک اس معنی کی گنجائش رکھتا ہے جسے میر صدق نے نکتہ سنج ذہنے زمین کھو کر کالاسے۔ یہ لفظ ہے "خامی"۔ جیسا کہ صرف "خامی"۔ اول تریہ لفظ دینی و مذہبی الفاظ کے خالدان کا لفظ ہے ہی نہیں۔ آپ کسی شخص کے باسے میں یہ بتتا چاہیں گے کہ وہ عبادت گذار ہے، پاپنہ مشریعت ہے۔ سنت و فوائل کا اہتمام کرتا ہے لگنا ہوں سے بچا ہے تو اس طرح کے الفاظ بولیں گے کہ وہ شخص ترقی ہے۔ صلاح ہے۔ نکو کام ہے۔ یہ نہیں کہیں گے کہ — "اس میں کوئی خامی نہیں ہے"۔

گویا ایک تو آپ مذہبی نوع کے الفاظ استعمال کریں گے دوسرے شبہت اور ایجادی انداز اختیار فرمائیں گے نہ کہ منفی اور سلبی۔ آپ کبھی نہ سنا ہو گا کہ کسی شخص نے کسی صلح اور نزگ انسان کی توصیف اس انداز میں کی ہو کہ — "فلان شخص بد کا نہیں ہے۔ نہ بہب بیزار نہیں ہے۔ منافق نہیں ہے"۔

منفی اور تردیدی انداز تصرف اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کسی کی ذات سے ایسا ملک دفعہ مقصود ہو یہ صورت ہرگز نہیں ہے کہ جب آپ کسی شخص کے باسے میں یوں کہیں کہ وہ بد کار نہیں ہے تو مطلب یہ سمجھا جاتے کہ وہ تھقی اور خاکہ دوز رہا ہے۔ ایک بڑے عالم کی مس سرائی آپ کا مقصود ہو گی تو کیا آپ یوں کہیں گے کہ وہ صاحب جاہل نہیں ہیں اور انصاف فرماتے۔ مولانا مسعودی نے اول تو لفظ خامی استعمال کیا جو ذہبی رنگ و پور رکھتا ہی نہیں۔ اسے سن کر کسی کے بھی ذہن میں یہ خیال نہیں آسکتا کہ ترکرہ دینی مرض سے ہمارا ہے۔ دوسرے منفی طرز بیان اختیار کیا جو شدود مکی تعریف یا تتفیص میں استعمال ہوتا ہی نہیں۔ تعریف کی مثالیں آپ نے دیکھیں۔ تتفیص کی بھی دیکھیں کسی شخص کو انتہا درجے کا بد کار، ظالم اور تنگ طرف کہنا ہو تو کیا یوں کہا جائیگا کہ — "وہ نکو کار، رحمل اور اعلیٰ طرف نہیں ہے"۔ کسی صاحب کو پرے سرے کا جاہل اور احمق قرار دیتا ہو تو کیا یوں کہیں گے کہ — "وہ صاحب عالم اور دانشنز نہیں ہیں"۔

اس کا یہ طلب نکال سکتا ہے کہ اخیں دجال کہا گیا ہے۔ کوئی بھی برسے سے برآدمی خوبیوں سے یکسر تھی دامن نہیں پڑتا۔ آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فضول خرچوں کو شیطان کا بھائی کہا۔ لیکن اس کا یہ طلب نہیں کہ فضول خرچ شیطان کی طرح بخلائیوں سے یکسر خالی اور جملہ برائیوں کا جمود ہوتے ہیں۔ وہ کوناگوں خوبیاں بھی رکھتے ہیں۔ نمازوں زد بھی کرتے ہیں۔

اللہ اور رسول کے مانتے والے بھی ہیں، لیکن فضول خرچی ایک بہت ہی برا رجحان ہے اس لئے اخیں اللہ نے سب سے پڑھ کافر شیطان کا بھائی بن دیکھدا۔ اسی طرح ایوب خان میں خوبیاں بھی ہیں۔ ان کے کارناٹے بھی ہیں، وہ کتنی ہی باتوں کے لئے تعریف کے بھی سخت ہو سکتے ہیں لیکن آمریت، انسانیت اور مطلق العنان ایسے برسے رجحانات ہیں کہ اسکے تعقیل سے سخت سخت ریا رک ان کے بالے میں اسی طرح بجا کیا جا سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کاریا رک فضول خرچوں کے بالے میں۔

صدر اوقیانوس کا موصوف یہ ہیں کہ کون زادہ عالم ہے اور کون فاسق و فاجر۔ کس نے کسی بھی سمعۃ زندگی میں کوئی کارناٹہ انجام دیلمے اور کس نے ہیں۔ کون بلہاڑنے کا پہلوان ہے اور کون تخفیف و نازک۔ موصوف یہ ہے کہ کس کے ذریعہ عوام کو جمپوریت حاصل ہو سکتی ہے اور کس کے ذریعہ نہیں۔ کون راستے عامہ کا احترام کر سکتا ہے اور کون نہیں۔ پڑھے پڑھے کارناٹے تو طکٹیروں اور بادشاہوں نے بھلی بیام دیتے ہیں۔ قرآن پر اعراب لگانے حصہ الاتانی کارناٹاک ایک ایسے حاکم سے منسوب ہے جس کا نام سنگر انسانیت لرز جاتی ہے۔ لیکن گفتگو اس پر ہر بڑی ہے کہ جمپوریت پسندی کے اوصاف کسی ہیں۔ اس موصوع گفتگو کے لحاظ سے یہ کہنا بکل درست اور بدیجھی طور پر امر دائر ہے کہ ایوب خان ہی کوئی خوبی نہیں۔ وہ مادر بہو سکتے ہیں۔ ماہر حنفی ہو سکتے ہیں مگر جمپوریت کے سر براد نہیں ہو سکتے۔

اور دینی نقطہ نظر رکھنے والوں کے لئے تو خور و نکر کا ایک اور زادیہ بھی ہے۔ کیا قرآن میں ایسے لوگوں کا ذکر نہیں یا

مجھے عمل سے نکال لا یا جاتا ہے تو وہ اس فونکشنی پروگرام سے بالکل ناخوش نہیں ہوتیں جس میں حکماں کے کلیدی اختیارات اور حقوق صدر کی ذات میں رکوز نہیں ہیں، بلکہ جمپوری میں بربٹ گئے ہیں۔ ناخوشی ہوتا تو درکار وہ اسی پروگرام کو اپنی تگ و دو اور خواہشات کا محور قرار دیتی ہیں۔

ایسے واضح اور بے خمار احوال کی موجودگی میں الگ مولانا مددودی یہ کہتے ہیں کہ جمپوریت امید داران میں کوئی خاصی نہیں ہے تو آخر یہی غلط ہے اور کون دیوانہ یہ خیال کر سکتا ہے کہ ایسا کہہ کر مولانا نے ان کے متفقی او منبع سنت اور زبردست دفع کا ماذل ہوتے کا دعویٰ داغ دیا ہے۔

اسی طرح ایوب خان کے احوال پر نظر کیجئے۔ وہ تخت سلطنت پر آتے ہی اس دروازے سے ہیں جو مسلم طور پر جمپوریت کا دروازہ نہیں ہے۔ تو پا اور بندوقی ٹھاٹے چشم زدن میں وہ قصر حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں اور کچھ عرصہ بعد الیکشن بھی ہوتا ہے تو اس میں خود ان کی ذات کے سوا کوئی مدد مقابل نہیں ہوتا حالانکہ گھنی سے گھنی جمپوریت میں بھی دو امید داروں کا طبقہ اور تولا زمہ جمپوریت سمجھا گیا ہے۔

اس کے بعد وہ نفس نفسیں دستور وضع فرماتے ہیں اور عالم یہ ہے کہ ملک بھر میں کسی کو اس پر تنقید کی اجازت نہیں۔ ذرا اسی نے زبان بھولی اور دست میں تعمیر حکمت میں آیا۔ پھر چند شرعی چہال کی مدد سے عالمی قانون نافذ فرماتے ہیں جس پر ہر مکتبہ فکر کے علماء پرچم اُٹھتے ہیں کہ یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے لیکن کیا مجال محترم صدر کے کان پر جو بھی رہنگی ہو۔ جب چہاڑو چاہا قانون بنایا۔ پسیں کا گلاہوٹا، آزادی تقریر مسلب کی۔ لا اؤڈ اسپیکر والے آرڈیننس کی نظر قویا جہاں میں شامیشکل ہی سے ملے۔ الفہ آمریت اور مطلق العنان ہی موصوف کے رجحانات کا جمود مرکز ہے اور جمپوریت کے لئے وہاں کوئی گنجائش نہیں۔ ایسے احوال میں الگ مولانا مددودی یہ فرماتی ہیں کہ جمپوریت امید داران میں کوئی خوبی نہیں تو آخر کیا غلط ہے اور کون مجھ فہم

تعلیمات کی روشنی میں انحراف و بغاوت کی راہ چلتا نظر آتے گا اس کے جزوی کارناموں اور خوبیوں کو اسی طرح تقابل الفتاوی سمجھنے کے طرح کفر پر منے والے کی زندگی بھر کی عبادتوں اور نبیوں کو اللہ اور اس کا رسول ناقابل الفتاوی سمجھتے ہیں۔ ایک مسلمان کلم کھلا سو دیتا اور خنزیر پا لاتا ہے۔ الگروہ خیر خیرات بھی کرے، زکوٰۃ بھی نکالے، نماز بھی پڑھئے، دینی مدرسہ بھی کھولے اور سبیع بھی گھونٹ نکلیں ایک کپے احمد سلیم الفطرت مسلمان کو اس کے ان اعمال خیر میں کوئی حسن نظر نہیں ہے۔ ایک شخص پیکا نمازی ہے تھوڑی بھی طرضاً سے مگر تقدیر پر اس کا ایمان نہیں۔ کیا اس کی نماز کوئی قیمت رکھتی ہے؟ الحص کسی بھی شخص کو خوبیوں سے خالی کہنے اور سمجھنے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ واقعۃ اس کی فسرد عمل میں کوئی عمل خیر اور اچھا کارنامہ ہو یہی نہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ اعمال خیر کی پوری گھٹڑی اپنے دوش پر اٹھاتے ہوئے ہوں لیکن ایک ہی خامی، ایک ہی بدملی اور کچھ روای اس میں ایسی پوک اس کی نبایر پر اللہ اور رسول کی حکوم تعلیمات اس کی گھٹڑی کو تھرا اور کنگر کے بے قیمت بوجھ سے زیادہ قیمت نہ دی سکتی ہوں۔

الحمد للہ۔ دفاعِ مظلوم کا حق ہم نے اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ادا کر دیا۔ اب اگر قارئین اجازت دیں تو اور صحت سے جس میں زیرِ بحث صدق پارہ چھاپا ہے ہم ایک ایسا نویش کریں جس سے اہل الفتاوی کو معلوم ہو سکے کہ مولانا مودودی کے نہدوں اتفاق پر کھوٹا چھائے والوں کا اپنا فرسکس عالم اور اتنے میں ہے۔

"بجزت" کے عنوان سے ایک مختصر سوال و جواب ہے جو قارئین صدق کو تو شاید ہی کھٹکا ہو گئم تجویز کر کے اس کی پورست کنڈہ حقیقت آپسے سامنے رکھتے ہیں۔ کسی ناقد الفتاوی صہابہ نے سوال کیا ہے اور رد بر صدق نے جواب عنایت فرمایا ہے۔ سوال و جواب جوں کا توں نقل کیا ہے۔

جنہوں نے وقتاً فوقاً اچھے اعمال بھی کئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی شدید بدملی کی بناء پر ان کے یہ سارے اعمال جبلکر لیے اور ان کے حصے میں فقط سزا اور سوانی رہ گئی۔ قدر آن ہی میں صحابہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اپنے معمر بھرستاخی ترزد ہو جاتے اور یہی ایک قصور تھا سے سارے نیک اعمال پر خط نسخہ تسبیح دینے کا باعث بن جاتے۔ امت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ مسلمان زندگی بھر عبادت و ریاضت کئے جاتے لیکن اُن نے سچے پہلے کافر ہو جاتے اور اسی حالت کفر میں دنیا سے رخصت ہو جاتے تو اس کی زندگی بھر کی عبادتیں اکارت گئیں اور سارے اوصاف حسنہ پر پانی پھر گیا۔

معلوم ہوا کہ دین و شریعت کے نزدیک کوئی ایک بھی براہی ایسی ہو سکتی ہے جو انسان کے سارے اعمال نیک اور خوبیوں کو عدم کے خانے میں رکھ دے اور بر سہابہ کے مدارا کیا دھرا حروف غلط کی طرح تھوڑا جھاتے۔ بھر کیوں ایک دین اور دین پسند آدمی یہ خال قائم نہیں کر سکتا کہ عائلی و ایکن کو بھر نماز فرکنے والا اخلاقی شریعت کا باغی اور بیغمبر کی تعلیمات کا مدد مقابل ہے۔ وہ زبان سے ایمان و اسلام کا دعویٰ کرتا ہے لیکن ذہنی طور پر ایمان و اسلام سے گزریاں ہے۔ اسکے شریعف نام کی جھٹیں جل جی ہیں۔ وہ ایسے خیالات کا حامل ہے جن کی موجودگی میں اس کے کسی بھی کارنامے اور عمل خیر کا دین و شریعت کی ترازوں میں کوئی وزن نہیں۔ گویا وہ حکیمت اعمام کے الفاظ اور آنی کا مصداق بن کر ہر خوبی سے مبترا اور ہر بھلانی سے ہری دامن ہو چکا ہے۔

ہم تنوے کی زبان میں محترم ایوب خاں کو کافر یا منافق نہیں کہتے، لیکن طلوع صبح کا مدار اک مرغ کی آذان پر نہیں ہے تو انسانوں کے کفر و اسلام اور اخلاق و نفاق کا انعام بھی کوئی کے فتوؤں پر نہیں ہے کوئی فتویٰ دے یا نہ دے دین خداوندی ہی کو معیار اور کسوٹی سمجھنے والے لوگ تعریف یا تحقیق کی بناء بہر حال اللہ اور رسول کی تعلیمات پر رکھیں گے اور جو شخص ان

ہجرت

ڈاکٹر جسید اللہ کے بائیسے میں آپ کا یہ لکھنا صحیح مفہوم ہے
ہجرت کرنے کے ہندوستان سے باہر گئے صحیح نہیں بلکہ ترک
وطن کرنے گئے۔

ادھم ہر آنے بعد الفتح کا آخر کیا مطلب ہو گا؟ پھر
تو ہزار کم وطن کو ہمار کہا جاسکتا ہے۔

نات الدناری بیہقی ۱۳

صدقی:- حدیث میں مراد "ہجرت" اصطلاحی جیسا کہ
الفتح سے بھی مراد فتح اصطلاحی ہے۔ یعنی مکر فتح ہو جانے
کے بعد۔ اب کسی صحابی کو ہجرت کی ضرورت و گناہ کش
باتی نہ ہو۔ باقی عالم افراد اوتھے تحفظ دین کیلئے
ہمیشہ ہی ہجرت کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ فتوحِ اسلامی کا
سلسلہ قیامت تک جاری رہ سکتا ہے اور قلسیں
فلوس بزرگ کے لئے ہمار جو لوگوں یا ہمار بندی کا لفڑا رہو
میں عاشر ہے۔" (صدقی جدید۔ ارجمند ۱۹۷۴ء)

ایک دوبار اس سوال وجواب کو خوب سے پڑھئے۔ عین
مکن ہے آپ بھی اُس نکتے کو پالیں جسے ہم اُجھا سنے چلے ہیں۔
نہ پاسکیں تو تجھے ہم رہنمائی کرتے ہیں:-

دیکھنا ہے کہ سائل کیا پوچھنا چاہتا ہے۔ ہر خصوصی
ماں الفہیر کو مناسب الفاظ کا جامہ پہنانے پر قادر نہیں ہوتا
ہی صورت یہاں پیش آئی ہے۔ ناق الفهاری حصہ پوچھنا
یہ چاہتے ہیں کہ اے محترم مدیر صدقی! آپنے ڈاکٹر جسید اللہ
کے بائی میں یہ رقم فرمایا ہے کہ وہ صحیح معنی میں ہجرت کر کے گئے
ہیں۔ لیکن صحیح معنی میں ہجرت تو قرآن و حدیث اُس ترک
وطن کو قرار دیتے ہیں جو غالعتہ اللہ کے لئے کیا گیا ہو۔ اپنے دین
کی حفظ و رکھنے کی خاطر کیا گیا ہو۔ بخاری کے شروع ہی میں ہے
کہ حسن نے کسی دنیاوی غرض کے لئے ہجرت کی وہ اصطلاحی نہیں
میں "ہجاج" نہیں ہو گا اور ہجرت کی وہ مقدس ترین اصطلاح
جس کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر صحابہ رضی خواہ
طور پر ہمہ جریں "کہلاتے ہیں صرف ایسے لوگوں پر منطبق ہوئے

گی جو خاص حالات میں دین و ایمان کی حفاظت کے لئے ترک
وطن کریں۔ پھر آپ ڈاکٹر جسید اللہ کے صحیح معنی میں ہمہ جو کہیے ہے
ہیں۔ لیکن امارت حالات میں پوچھتے ہیں ہجرت اور اس طبقہ مفہوم کیسا ہے
یورپ، طریق فرانس جانا اور فرانس ہی میں اب رہنا ہجرت
ہے؟۔ صحیح معنی میں ہجرت تو کیا یہ تو غلط معنی میں بھی ہجرت
نہیں ہے۔ ہاں کسی پر کسی مالکے کی روشن اختیارات اور اصطلاحی
مفہوم سے اگھیں بن گئے کے خالص لغت کو رہنا بنا تو تمیں
اسے ہجرت کہ سکتے ہو گے اس طرح تو وہ شخص بھی جا طبر بر ہمار
کہ ملائے گا جو دیوبند سے ترک رہائش کر کے دہلی یا یونان یا
لبے۔ اس نے بھی تو ایک بھی چھوٹ کرد و مردی بستی میں ڈیرا
جمایا ہے۔ لغتہ بھی ہجرت ہی ہے!

یہ تھا سوال جو ناقہ الفهاری صاحب مدیر صدقی سے
پوچھنا چاہتے تھے مگر وہ اپنا افی انصریرو اضخم کرنے پر قادر نہ
ہو سکے اور بے محل طور پر لام ہجرت بعد افتتاح ولی حدیث
لے پڑھے۔

لیکن کیا ہوا نادریاً بادی ہیں دہن اور بالغ نظر عالم
وادیکے بائی میں پر بدگمانی ہو سکتی ہے کہ وہ سائل کا صحیح
مشادر نہ سمجھے ہوں گے؟۔ ہمیں تو یقین ہے کہ وہ ضرور
سمجھ گئے ہوں گے مگر یہ اندازہ کر کے کہ عام طور پر قارئین اس
مشاذک نہیں بخیں گے انہوں نے ایسا کام خرچ بالاشیں جو اس
دیرا جو زیارتی ترین ہے کے لئے کافی ہو کر سائل کا اشہد لغو ہے اور
میں جو کچھ کہہ چکا ہوں وہ سول اپنے درست ہے۔

حالانکہ جو اسے ہم اعتراف کا کوئی دفعہ نہیں ہوا
یہ بے شک درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ارشاد مذکورہ کا مشادر ہمیشہ کئے لئے باب ہجرت بنت دکنا
نہیں تھا اور قیامت تک جب بھی ایسے حالات پشاں جائیں
کہ ایک سالان دین و ایمان کے تحفظ کی خاطر ہمار چھوڑنے
پر جبور ہو جائے تو اسکا ہمار یار چھوڑنا صحیح معنی میں ہجرت
ہو گا اور اس پر وہ تواب بھی مرتب ہو گا جو اصطلاحی ہجرت
کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن اس اصول کو نقطہ من لیں اور
اس سپر قلم کر دیتے ہی سے تو یہ بات ثابت نہیں ہو جاتی کہ

مل سکتے ہیں، جہاں مستشرقین کی محبت ایک اچھے خاص سلیمانی الفکر محقق کو بھی گمراہی کی راہ پر ڈال سکتی ہے اور ظرفی ہے۔ وہاں جا بائنسے والے کو توشہ باہر نہ بھی "جہا جر" نہیں کہہ سکتے ظلم اور آنہا پسندی اسی کا تو نام ہے کہ مولانا مودودی میں کیٹرے ڈالنے پر آؤ تو حدود الحدایت سے کوئی سوں آجے بڑھ جاؤ اور کسی صاحب کی تعریف کرنے پر آؤ تب بھی غلو اور افراد کی حد کر دو۔

اگر مدیر صدق حق پسندی اور دیانت سے کام لیتے تو ان کا دادحد جواب یہی ہونا چاہیے تھا کہ بھائی وہ تو میں نے روئیں لکھ دیا تھا۔ خطاب ہر قریب رجوع کرتا ہوں۔ مولانا کے شیخ حضرت حکیم الامات تو آئے دن اس کردار کا مظاہرہ فرمائے مہنے تھے کہ فلاں حدیث میری نظر میں نہیں تھی لہذا اپنی لائے سے رجوع کرتا ہوں۔ فلاں نکتہ میرے ذہن میں نہیں آیا تھا لہذا میرے جواب کو غلط سمجھا جائے وغیرہ۔

لیکن مدیر شیر مولانا دریا بادی نے اس اسوے کی پیری نہیں کی اور سائل کی کوتاہ قلمی سے ناجائز فائیدہ اٹھاتے ہوئے اصل سوال اور اعتراض کو الفاظ کی بھول بھیلان میں کم کر دیا۔ یہ طریقہ عقلمندانہ ہی لیکن اس سے زبردستی کے پیروی کا پتہ ضرور چلتا ہے۔ یہ ایک تخت الشعوری انا نیت اور خوبی پسندی کا نظر پڑو رہے۔ اس سے اخلاقی جرأت کی کمی کا اندازہ ہڑو کیا جاسکتا ہے۔ دوسروں کے قصیر پسگاری کرنے والوں کو اپنے شیش محل کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ ہمیں بزرگوں پر حرف کیری کرنے سے سزاد پسی نہیں، لیکن بزرگ اُن ظلم و جاہیت پر اُترائیں تو ہمارے نئے مظلومیت کے دفعاء سے زیادہ تجھ پ مشغله کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس طبعی یکفیدت کو مرتبے دیتے تھے قائم رکھے اور ہم بڑھائیں میں بھی اطمینان سے یہ مصرعہ پڑھ لیکن گداز عشق نہیں کم ہو میں جو ان سرما

ڈاکٹر حمید اللہ کا ترک ملن بھی ہجرت ہی تھا! مدیر صدق بال کی کمال نکالنے میں شہود ہیں۔ مولانا مودودی کے رخسار کا ایک قتل بھی وہ تو سے کی برابر بر کے دھکاء تھے میں پھر پر کیا بات ہے کہ اپنے ارشاد کے نقطہ اعتراض سے وہ نظر پچائے اور چلتے ہوئے سے فقرے کہہ کر سائل کی زبان سند کر دی۔

لوگوں تماشا کرننا۔ ڈاکٹر حمید اللہ فرمادیں میں جا بائیں ہیں۔ وہ فرانس جس کے تعارف کی حاجت نہیں۔ کیا مازل حالات میں ہندوستان سے فرانس جا بائیں والے کو صحیح معنی میں جہا جر" کہنا اس مقدس شرعی اصطلاح کے ساتھ لکھا تھا میں جانتے ہیں کہ ڈاکٹر حمید اللہ ایک بینی مزاج کے آدمی ہیں۔ وہ تحقیق و رسیدج سے پہلی بھی رکھتے ہیں اور ٹرکی ہو یا فرانس یا کوئی اور ملک ہر جگہ اخنوں نے اپنے کام سے کام رکھا ہے اور ان کے نتائج تحقیق ہی بھی کھاڑکی بیکل میں سائنس اتنے ترقیتے ہیں، لیکن یہ تھا انہیں اسکے ترک ہندوستان کو "ہجرت" اور صحیح معنی میں یہ ہجرت قرار دینے کے لئے کس حصہ کا معادن ہیں یہ کسی بھی ایسے شخص سے پوچھیا ہیں جو علم و دلش رکھتا ہو۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ جماعت تبلیغی والوں ہی نے ہجرت و نصرت کی اصطلاحوں سے بالضافی کی ہے لیکن مولنا دریا بادی نے تو انہیں ھلکا نہ کر جھپڑا۔

ہبہ جر کی یا جہا جر مدنی کی اصطلاحوں کا ہم سائنس کرکے مولانا نے سائل کو چلکیوں میں اُڑا دیا حالانکہ یہ ذکریے محل اور بے جوڑ تھا۔ کسی بھی ملک سے ایک عابد و زادہ بزرگ کا نکے یا ملینے جا بسا تصحیح معنی میں ہجرت تو دنیا کے کسی بھی مستند عالم نے قرار نہیں دیا۔ البتہ ان دونوں مقامات کو چونکہ دنیا کے ہر مقام پر ایک دنی بزرگ زیدی گی حاصل ہے اور انہوں برکات کا نزول یہاں زیادہ ہے اس لئے ایسے بزرگوں کو جو فقط حصولِ سعادت اور ازادی ایمان کی نیت سے ان میں سے کسی مقام پر جا بائیں میں مشاہدہ ہبہ جر کہدیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ صحیح معنی میں ہبہ جر قدر اپا جاتے ہیں۔

مگر دارالفقیریں۔ اور فرانس جسے دارالفقیریں جہا نہ راستی اور پانی نہنگا ہے۔ جہاں کلی کلی "نکلے کلب"

مولانا اصلاحی کیا فرماتے ہیں

جائے اور باقی عمارت کو آپ سے آپ تھنگ کے مل گزئے کیلئے چھوڑ دیا جائے۔ ہم نے پہلے بھی کہا ہے اور اب بھی کہنے ہیں کہ مولانا اصلاحی ایک سمجھدار اور بالعلم انسان ہیں۔ وہ نازل حالات میں بڑی اچھی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ ان کا مطالعہ و سعی نہ سہی اچھا خاصا ضرور ہے۔ وہ وقت بیان بھی رکھتے ہیں اور نادو و مصروف بھی ہیں۔ لیکن جس طرح پھلوں کے رس سے بھروسے ہوتے گلاس میں ایک قطرو پیش اک ملادی بیکھنے والے برادر ہم جاگے کا جس طرح نفس ترین بھون میں رتی بھر زہر لایں آمیز کر دیجئے اس کی نفاست ہوا ہو جائے گی جس طرح ول اور اخن کا درمیانی ٹک بکالدیجے گاڑی دو قدم بھی نہ جعل سکے گی۔ اسی طرح عناد و تھب وہ بلا ہے کہ جب مشتعل مراج اور انتہا پسند آدمی کے لاشوؤں کنگھوڑے کی طرح چھپ جاتا ہے تو پھر چاہیے یہ آدمی لفتر اطاو افلاطوں ہی کیوں نہ ہو اس کی تمام اعلیٰ صلاحیتوں کی مٹی پسید ہو جاتی ہے اور اس حد تک بے بصیری اور بلید الذہنی کا لامظا وہ بلا تکلف کر گزرتا ہے کہ موجود نصف النہار پر ہے اور وہ چیز رہا ہے کہ اس وقت تو راستے ہے۔ رات اپنی سیاہیاں پھیلا چکی ہے مگر وہ نعرے لگا رہا ہے کہ اس وقت دن کے بارے بچھے ہیں۔

ذرا دیکھئے۔ مولانا اصلاحی فرماتے ہیں:-

"مشریعت نے حرمتوں کے درمیان نہ تو ابدی اور غیر ابدی، قطعی اور غیر قطعی کے قسم کی کوئی فرقی کی ہے ذہ "شدید ضرورت" کے تحت کسی حرمت کے خلاف میں تبدیل ہو جانے کا فتوحی دیا ہے۔ یہ دلنوں باتیں ان حضرات کے اپنے ذہن کی ایجاد ہیں اور معمود ان کی

یثاق کے مدیر باتو قیر مولانا امین احسن اصلاحی کے طرز طعن پر تبصرہ آپ پھیلے شماۓ میں دیکھ چکے۔ خیر سے نویر کے یثاق میں وہ پھر اسی موصوع پر تشریف لائے ہیں اور خاصے مطرائق سے تشریف لائے ہیں۔ لانا بھی چاہیے تھا۔ مولانا مودودی سے پر خاش اور عناد کی جگہ ان کے ذہن میں بڑھ کی ہے دھائیں ایک ایسے مرحلے میں کیسے چکا میٹھنے دیتی جکہ مولانا مودودی کی شہرت و تفویلیت اور علمت و رفتت کے خاور تباہ کی تابش و طمعت غیر معمولی طور پر افراد نظر آ رہی ہے۔ وہ جھلک رہے ہیں۔ منھ میں کھفت، بھر بھر ل رہے ہیں۔ اس کیفیت کو ان کا سکرپٹ تا اور یمنٹا حلقة متعقدین تو شاید شیر نہ کی غواہ پڑ سے تشیید دے، لیکن نفیات کا ایک غیر جا بندار طالب علم اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ احسان شکست خوردگی کی باز گشت اور یاس و نامرادی کے زخم کی کسلی ہے جو انھیں نسگاروں پر لومٹتے اور ہوا سے کشی لڑنے پر جھوک رکھ رہی ہے۔

آئیے ہم آپ کو دھنٹائیں وہ کیا فرماتے ہیں اور سس انداز میں فرماتے ہیں۔ جی تو چاہتا تھا کہ ان کا سارا ہی صحیح نقتل کر دیں تاکہ ان کے تھماتے ہوئے پھر کی ایک ایک ادا اور ایک ایک زاویے سے آپ لطف انہوں پر ملکیں لیکن شکل یہ ہے کہ اس بارا ہنوں نے تقریباً میں صحفت کا لئے کئے ہیں۔ ان سب کو نقل کر کے ان پر نقد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اچھی خاصی کتاب تائیف کی جائے۔ کتاب بھی ہمہ ایسے کو دیتے لیکن دلائیں وہ راہیں کی جائے جب کوئی شخص نفس کے امامات اور معدے کے اخخارات پر الفاظ و بیان کی عمارت تعمیر کرے تو بھی بہت کافی ہے کہ نبیادی فساد کی نشاندہی کروی

نہیں۔ سے شمار ایسے لوگ آپ کو ان عنصر ٹبوں کی صفت میں نظر آتیں گے جو عام اعتبر سے عقل و علم کا پشتارہ ہیں لیکن زاویتِ نظر کی وجہ اور سو روطن کی لعنت نے انھیں انداز اور احتجاج بنادیا ہے۔

یہی حال مولانا اصلاحی کا بھی نظر آ رہا ہے کہ عقل و علم تو پاشا مرشد کا فی ہیں۔ لیکن کینہ تو زی اور بغفن کی طبعی اقدام نے ایک پرده ان کے عقل و علم پر دال دیا ہے اور آخرت کی جواب دی سے بے میاز ہو کر وہ جماعت اسلامی اور مولانا دودودی کی ہر راستے کو بیعتی پر مبنی قرار دینے کا تھیہ کر چکے ہیں۔

چلتے یونہی ہی — لیکن جو علمی قصص ان کے منقول ارشاد پایا جا رہا ہے اسے کیا کہیں گے۔ علمی نفس یہ ہے کہ سالہ اسال فستراں ان میں تدبیر کرنے کے باوجود انھوں نے نہیں سمجھا کہ حرام و حلال جو ہر سچ پر کیا معنی رکھتے ہیں۔

غور کیجئے۔ زنا حرام ہے، لیکن جعل کا نام زنا نہیں ہی جب اپنی منکووں کے ساتھ کیا جائے تو یکسر حلال ہے۔ زنا، مہابت، وظیفہ، زوجت، وطی، محبت یہ تو فقط الفاظ ہیں، ان کے مصداق ہیں کوئی فرق نہیں۔ طبعی اثرات و نتائج میں بھی کوئی فرق نہیں۔ لیکن اپنی منکووں سے وہ اس لئے حلال ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال فرمایا ہے اور دوسرا یوردوں سے وہ اس لئے حرام ہو گیا کہ اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

دنیا کی کوئی بھی شے اپنی ذاتی طبعی چیزیں میں خراب اور اچھی ہو سکتی ہے، نافع اور ضرر ہو سکتی ہے، حسین اور کحر بہہ ہو سکتی ہے، لیکن حلال اور حرام انہیں ہو سکتی جیسا کہ کسی ملک کی حدود یا حرمت کے لئے اللہ اور رسول کا فرض ملکیت نہ ہو جاتے۔ اس طفیل بات کو عالی سمجھیں یا زیر حکم لیکن مولانا اصلاحی جیسے ممتاز عالم کو تو سمجھنا ہمیں چاہیے۔ وہ سمجھتے ہیں لیکن جماعت اسلامی سے معاملہ کرتے وقت یہ سمجھ کرند ہو جاتی ہے اور جو اخراجات حرام مغرب سے اٹھیں انھیں کاغذ کی زنفیٹ بنادیا جاتا ہے۔ خیر۔ اس طفیل بات کو اچھی طرح سمجھ

ایجاد سے شروع ہے کہ ان پاہنڈوں سے تھا اچھا نہیں جن کو کتابوں میں لکھ کر فرمادت کرنا تو آمان تھا۔ ایسکی سیاسی و صلحیوں کے ساتھ اب عملان کو نباہنا ان کے لئے مکن نہیں رہا۔ شریعت میں جوابات کی بھی ہے وہ تو یہ ہے کہ ہر حرم سے بچوں، البتہ الگ اگر ادا یا احترا ر کیجالت پیش آجائے تو اس مورثت میں آدمی کو اس بات کی خصوصیت ہے کہ کسی حرم سے نائلہ اٹھائے بشرطیکہ نہ اس حرم کا خاہش مند پڑنے اور درست آجے بڑھو رفع ضرورت کے لئے ناگزیر ہے۔

یہ یعنی پرورا پر اپنے نقش کر دیا ہے۔
جماعت اسلامی کی راستے کسی مسئلے میں ایک یا ہزار اور منصف مراجع عالم کے نزدیک اگر غلط ہو تو یہ اسے بجا طور پر حق محسوس ہے کہ کہ دلائل سے اس کی غلطی اور خچ کرے۔ لیکن ہر چوں ہر اگر وہ اس غلطی کو بنتی اور فریب کاری پر بھی جھوکیں تدارک دیدتیا ہے تو سو اسے اس کے کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ آخرت کی جواب دیں کا احساس اس کے اندر سے اسی طرح نکل گیا ہے جس طرح حدیث کی تصریح کے مطابق زنا کار کے اندر سے بوقت زنا اور چور کے اندر سے بوقت چوری ایمان نکل جاتا ہے۔ لکھن اور دوڑوڑ کے لفاظ میں مولانا اصلاحی فصلہ دیتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے اجتہاد و تفہیم کا مقصود شریعت کی پابندیوں سے بچا چھڑانا ہے۔ جب ایک شخص طے کرے کہ فلاں جماعت یا فرد کے پہنچل ٹولی یا بندی بنتی اور منافقت یہ ہے تو اس سے اسی طرح الفحافت کی توقع نہیں کی جاسکتی جس طرح گیوں لٹکوں سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ مذہبی اصول و نظریات کے حق میں انصاف کریں گے۔ آپ کی مسلم ہو گا روسی انسائیکلو پیڈیا میں دنیا کے سب سے بڑے طبقے انسان اور فقر اختاری کے پیغمبر عربی صنیع اللہ علیہ وسلم کے متفرق اقسام کا دریا رک دیا گیا ہے کہ وہ استھان و استعمال کے علمبردارتھے اور رو سیوں کے علاوہ دوسرے ہبہ برے لوگ ہیں جو سو روطن کی بندی پر پھریساں ملک کے ایک ایک قابل عمل کو بیسے بذریعہ اور تعریفات کا ہدف بناتے ہیں۔
— کیا یہ سب قتل سے بے بہرہ اور علم سے ہی دامن ہیں؟

ان کے باشے میں انسان عقل و احساس اور تجربے سے یہ فیصلہ تو
میں سکتا ہے کہ فلاں چیزیں مضرت کا ہوں گا لیکن، اور فلاں میں
افادیت کا۔ فلاں افیس و جیل ہے اور فلاں قبیح و کریم۔ لیکن یہ
فیصلہ نہیں میں سکتا کہ فلاں حرام ہے اور فلاں حلال۔ حلت و
حرمت کا دار اس پر ہے ہی نہیں کہ جو چیز ضرر سامنے آئے
وہ حرام ہے اور جو نافع تھے میں آئے وہ لا ز محلال ہے۔

مباشرت کی گذشتہ طور پر ضرر سامنے ہے لیکن کوئی عالم
قوتوی نہیں دے سکتا کہ حفظ ان صحت کی رو سے جو وقفہ دو
مباشرتوں کے درمیان ہونا چاہیے اس سے کم و قسم میں بھی
کے پاس جانا حرام ہے۔ کوئی چیزیں طور پر ضرر سامنے ہے۔
چھلی اور دودھ کا ایک ساتھ استعمال خطرناک سمجھا گیا ہے۔
رات کا گھانا کھاتے ہی پیر پس اکر سو جانا صحت کا دشمن تیزم
کیا جاتا ہے۔ لیکن ان چیزوں کے باشے میں حرمت کا قتوی
دینا چکن نہیں ہے کیونکہ حرمت کسی شے کے اجراء ترکیبی میں
داخل نہیں۔ طبیعت اور مباشرت کا جز نہیں بلکہ اللہ کے فیض
کا نام ہے۔ یہ فصلہ ہیں چاہے صراحتہ معلوم ہو یا کنایتہ یا
ضمہ یا تلقیاً سماں مگر حرمت کا اختصار اسی پر ہے نہ کہ اشیاء کے
طبیعی خواص و اثرات پر۔ آپ دیکھتے ہیں خنزیر حرام قتلار
دیا گیا حالانکہ وحی الگر نہ بتاتی تو خنزیر کی حرمت کے لئے انسان
کے پاس نفعی دلائل نہیں تھے۔ اس کے عکس مرغی حلال قرار
دی گئی حالانکہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے غلطات کھاتی
ہے۔ اسی طرح وحی کے ذریعہ الگر دو ہیں کو ایک نکاح میں
جمع کرنے یا اپنی حقیقی ہیں یا بھائی یا بھائی ہی سے نکاح کرنے کی
حرمت نہ ہو جاتی تو انسانی عقل و تجربہ اس کی حرمت پر متفق
نہیں ہو سکتا تھا۔ بیک وقت چار بیویوں کا جواز اور پانچوں
کی حرمت اسی لئے تو ہے کہ اللہ نے اسے حرام قتلار دیا اور نہ
کوئی کسوٹی طبقی انسان کے پاس جو چار کے عدد کی تجویز کر سکتی
ہے جو کہ حرام صرف وہ ہے جس پر اللہ اپنی ناخوشی کی

اطماع دے اور حلال وہ ہے جس کے باشے میں ہیں نص، یا
اشارة النص یا اجتہاد و قیاس کے ذریعے معلوم ہو جائے کہ اللہ
اس پر ناخوش نہیں ہے۔ اس پورت کندہ حقیقت کو سمجھو

لیں کے بعد کسی ہوشمند کے لئے اس تجھے تک پہنچنے میں کوئی مشکلی
نہیں رہتی کہ جن حالتوں میں شریعت نسی حرام کو اختیار کر لیں
کی رخصت دیتی ہے ان حالتوں میں یہ حرام حرام رہتا ہی نہیں
بلکہ حلال بن جاتا ہے۔ اس لئے بن جاتا ہے کہ حلت و حرمت
کسی بھی شے کا وصف ذاتی اور خاصہ طبعی نہیں جو ہر حال
میں موجود ہی رہے۔ وہ تو فقط ایک وصف اضافی ہے
جس کا دار اللہ اور رسول کی مرغی پر ہے۔ دوسرے لفظوں
میں یوں کہیے کہ حلت و حرمت خارجی اور اعتباری ہیں
ہیں۔ ایسا ہنس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح کسی بھل میں
ترشی زیادہ رطھی اور کسی میں شیر نہیں۔ کسی میں سودا و بیت
سموئی اور کسی میں صفر اسیت کو غلبہ دیا اسی طرح بعض
چیزوں میں حلت اور بعض میں حرمت کو سودا یا ہو۔ اسی لئے
کسی بھل یا دوایا گذا بکر لئے تو یہ دعویٰ درست ہو سکتا ہے
کہ جب یکسی ہر لین کو لمحہ دے اس وقت بھی اور جب تھقہان
کے اس وقت بھی اس کے طبعی خواص اور عناصر و اجزاء
اپنی جگہ جوں کے توں رہتے ہیں لیکن حلت و حرمت کا یہ
معاملہ کسی ہو سکتا ہے جب کہ وہ نہ تو عناصر و اجزاء میں
شامل ہے نہ طبعی ساخت میں۔ اس کی حقیقت تفقط اتنی
ہے کہ جس وقت ایک فعل کے انتکاب پر اللہ تعالیٰ نار اٹھنگی
کی وعید دے وہ حرام ہے اور جس وقت وہ اطمینان دلائے کہ
ہم نار اٹھنے نہیں ہوں گے وہ حلال ہے۔ رمضان میں روزہ
ذرکر ہے، یعنی حرام ہیو کا گیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ امسرا کی
وعید دیتا ہے لیکن سفر میں روزہ قضا کر دیجئے اس پر وہ وعید
نہیں دیتا۔ بیوی اور بونڈی کے علاوہ دنیا کی ہر عورت سے
مباشرت حرام ہے۔ پھر کیا یوں کہنا چاہیے کہ بیوی اور بونڈی
سے مباشرت کرتے ہوئے انتکاب تو غل حرام ہی کا ہوتا
ہے لیکن رخصت دیدی گئی ہے اس لئے لقدر ضرورت فائدہ
اٹھایا جائے۔

نکتہ ذرا طیف ہے اس لئے تفصیل میں جلتے ہیں:-
اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی چیزیں پیدا کی ہیں ان کے پھر
طبعی خواص رکھتے ہیں۔ کوئی نافع ہے کوئی مضر۔ کوئی معتدل۔

قرار دیتا ہے اس پر گویا اس نے ہر خروشنی ڈال دی ہے۔ سفید پر شے پر سرخ روشنی یا کوئی سی بھی روشنی ڈالنے پر وہ اسی رنگ کا نظر آتے لگے گا۔ لیکن جس وقت روشنی کل کمزی چلتے گی پر وہ سفید کا سفید نکل آتے گا۔ اگر ایک ہی روشنی ہوں ہزار سال تک ہبھی مسلسل ڈالی جاتی رہے گو درمیان میں کسی وقت پل بھر کے لئے اسے گل کر دیا جائے تو اس پل میں یہ پر وہ سفید ہی ہو گا کیونکہ روشنی کا رنگ اس کے عناء پر ترمیم میں شامل ہیں خارجی اور عارضی شے ہے۔ لکھی ہی مدت تک اس پر روشنی ٹرتی رہے وہ اس کا جزو و لازم نہیں بلکہ قدر خونگ کی روشنی ہزار سال تک ڈالنے پھر اسے گل کر کے چند منٹ کے لئے سبز روشنی ڈال دیجئے تو ان چند منٹوں میں پر دے کو اس سبز روشنی سے وہ نسبت ہو گی جو ہزار سال تک ہر خروشنی سے رہی ہے۔ یہ نہیں کہ چونکہ سرخ روشنی بہت طویل مدت تک پڑتی رہی ہے اور آنے کو بھی یہی پڑتی ہے اس لئے درمیان میں قلیل سی مدت کے لئے سبز روشنی کا پڑنا یہ معنی رکھے گا کہ پر وہ اس قلیل سی مدت میں بھی سرخ ہی باقی رہا ہے۔

ٹھیک اسی طرح حرمت و حلت کامعااملہ بھی ہے۔ میاشرت اپنی وضع اور طبیعت میں ایک فعل تھا جس کے ماڈی انترات و تنازع کو تو ان عقلى اور تحریر سے معلوم کر سکتا تھا، لیکن یہ نہیں جان سکتا تھا کہ کب اور کون صورتوں میں وہ اللہ کی نامنگی کا باعث بن جاتے گا۔ وحی کے ذریعہ بتایا گیا کہ کب اور کہاں وہ حرماً ہے۔ یعنی اللہ کی نامنگی کا باعث ہے اور کب کہاں اس کی اجازت ہے۔ بیوی کے ملاوہ ہر محل میں اس کی مانعوت کی گئی لیکن چہاڑا شرعاً میں ہاتھ آتی ہوئی تکنیزوں سے بھی آقا کے لئے میاشرت کا جائز دیا گیا۔ کیا یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ جب ایک مرد اپنی بیوی یا تکنیز شرعاً سے فعل میاشرت کر رہا ہو تو وہ کسی خصت کے تحت حرماً سے فائدہ اٹھا رہا ہوتا ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ حرمت تو اللہ کی مانعوت کا دوسرا نام تھا۔ وہ جہاں موجود نہیں وہاں حرمت کا بھی سوال ہی کہاں پرداہت ہے۔ زہر کی طبیعت ہی یہ ہے کہ جان لے ڈالے۔ اب

لیکن کے بعد یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ حلال و حرام کے بائے میں جو بات مولانا اصلاحی کہہ رہے ہیں وہ جو ہر ہی طبق پر غلط ہے اور حق بات صرف یہ ہے کہ کوئی بھی فعل عمل جن قبودو احوال کے دائرے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام استرار پاجاتا ہے وہ صرف انھی قبودو احوال کی حد تک حرام ہے اور جن حدروں اور حالتوں میں خود باری تعالیٰ اس کی اباحت و جواز کا فیصلہ فرمائیتے ہیں ان میں وہ میسر حلال ہوتا ہے نہ کہ حرماً۔ یہ بڑی جسارت ہے کہ اللہ کی طرف اجازت حرام کی نسبت کی جائے۔ اس نسبت کا مطابق مفہوم یہ ہو گا کہ ایک ہی وقت اور حالت میں اللہ تعالیٰ ایک فعل سے ناراض بھی ہے اور خوش بھی۔ یہ تضاد کیسے ممکن ہے۔

بات کی تہہ تک پہنچنے کے لئے دنیا کی ہر شے کو سفید پر دے کی ماند سمجھئے۔ سفیدی ہر زندگی سے مبرٹی ہونے کا نام ہے اسی طرح اباحت و جواز نام ہے اس کیفیت کا جو مانعوت اور حکم دونوں سے خالی ہو۔ مثلاً بادام کھانے کی ہمیشہ مانعوت کی گئی نہ حکم دیا گیا۔ کھالیں کے تو اللہ ناراض نہیں ہو گا۔ نکھائیں گے تو باز پرس نہیں ہو گی۔ اللہ کی نامنگی کے مختلف درجات میں اسی طرح حرمت، معمصیت، گراہرت، وغیرہ کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے اور اسی طرح خوشنودی کے مختلف مراتب میں جیسی فرضیت، وجوب، استحباب جیسے الفاظ کا عنوان دیا گیا ہے۔ ان دونوں رخنوں کے درمیان اباحت و جواز کا اشتیج ہے۔ اسی اشتیج کو ہم تسلیاً سفید زندگی سے تشییہ دے رہے ہیں کیونکہ یہ نامنگی اور خوشنودی دونوں سے خالی ہے۔ نامنگی کو سرخ زندگی سے مشابہت دے لیجئے اور خوشنودی کو سبز زندگی سے آپ جانتے ہیں کہ ہر زندگی جانے خود مختلف درجے رکھتا ہے۔ بہت تیز، معمولی تیز، ملکا، ایسے ہی مدرج اللہ کی نامنگی اور خوشنودی کے ہیں۔ کفر سے وہ بے حد ناراض ہے۔ گناہ کبیرہ نسبتاً کم اور گناہ صغیرہ سے اس سے بھی کم۔ اسی طرح فرانس و واجبات اس کی بارگاہ خوشنودی ہیں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ سن اس سے کم اور مندو بات اس سے بھی کم۔ اب یوں سمجھئے کہ جس چیز کے استعمال کو اللہ تعالیٰ منوع

سے تھی۔ ان چند دنوں میں اس کی حرمت اتنی ہی قطعی اور مکمل ہوتی رہتی تھی باتی دنوں میں حللت اور ماہِ رمضان میں فرضیت قطعی اور مکمل ہوئی اگر تھی ہے۔

ریلوے کے سکنیل کو دیکھو۔ ابھی اس کی روشنی مسرخ تھی۔ ابھی سبز نظر آئی۔ کیا یہ حقیقتہ؟ اُس روشنی نے اپنا زندگی بدلا لایے جو لیمپ کے اندر موجود ہے یا فقط ارادہ گرد کے زمین شستہ بدے گئے ہیں؟۔ مولانا اصل اسی کھٹکی پر ہے۔ روشنی کی توں ہے۔ ننگ بدلا دیا۔ ہم کہتے ہیں روشنی تو انہی جگہ جوں کی توں ہے۔ غیر تعریفی ہے۔ یہ تبدیلی فقط کافی کے مکروہوں کی ہے جو روشنی کو اپنے رنگ میں رنگ کر دکھا رہے ہیں۔ ناظرین فیصلہ فرمائیں کون درست کہتا ہے۔

فرمایا گیا۔

”فرض کیجئے۔ ایک شخص کی گیردن پر تلوار رکھ دی جاتی ہے کہ اگر وہ کلمہ کفر نہیں کہتا تو اس کی گیردن اڑا دی جائے کی تو اس کو رخصت ہے کہ وہ زبان سے کلمہ کفر کال کہا پنی جان پجا لے جائے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس صورت میں ایک مومن کی جان کے مقابل میں کلمہ کفر کہنے کی وجہ اجازت ہے تو اس وجہ سے نہیں ہے کہ کلمہ کفر کی حرمت غیر ابدی اور غیر قطعی ہے۔ بلکہ صرف اس وجہ سے ہے کہ میش آمدہ صورت میں اس کا اختیار کرنا اہون ہے درد کلمہ کفر کی حرمت کی ابتدی اور قطعیت میں کی کلام کی گنجائش ہاں ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ قطعیت اور ابتدی صرف خدا کی مرضی، خوشی دی اور رادے کو محسال ہے دوسری کمی کریشہ کو نہیں۔ کلمہ کفر کی عقلی و علمی قباحت کو آپ ابدی اور قطعی کہہ لیں مگر ”حرمت“ توجہ اسی ممانعت کا درست رہا ہے۔ جس حالت میں اس نے ممانعت ختم کر کے اجازت حرمت فریادی ہے اس حالت کے بارے میں یہ کہنا کہ ممانعت کا انقطع انہیں ہوا تباہ اور نقی کو جمع کرنے ہے جو تامکنات میں سے ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ حالت اضطرار چاہے پل بھر کو پیش آئے اس پل میں کلمہ کفر مفہوم سے نکالنا ٹھیک اسی تھی میں حلال

آپ تصدیق کھائیں یا سہواؤ جان ضرور جائے گی۔ آگ کی فطرت ہی یہ ہے کہ جلا کر بھسپ کر دے۔ آپ کاغذ کو ارادۃ آگ میں ڈالیں یا بھولے سے وہ خاکستہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر روزے کی حالت میں ہوئा آپ کچھ بھی کھانا روزہ نہیں طوڑتا۔ اس سے معلوم ہو اگر روزے کی حالت میں کچھ کھانا منطقی تضاد ضرور رکھتا ہے، لیکن حرمت اس کی مشترک میں داخل نہیں ہے۔ حرمت جزو و طبیعت ہوتی تو کھانا چاہے تصدیق ہوتا یا سہواؤ تماشہ ہر حال میں ویسے ہی کیاں مرتب ہوتے ہیں آگ اور زہر کے ہوتے ہیں مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ تصدیق کھانا تو قطعاً حرام مگر سہواؤ تھا لیکن میں نہ روزہ نہ عطا نہ عتاب آہی کا لازم ہوا۔ گویا جس وقت ایک روزے دار بھولے سے کچھ کھارا تھا اس وقت اس فصل کی مثال اُس سفید پر دے کی سی تھی جس پر سے مسرخ روشنی میں بھر کے لئے ہٹالی گئی۔

جادا رکو ایذا پختا عقلاء بری بارت ہے مگر حرمت اس کا طبعی جزو نہیں۔ کب کے لئے ایذا پختا حرام ہو گا اس کا پتہ وحی الہی سے چلا۔ نید بھر کی ناک کاٹ لیتا ہے پیغام ہے۔ لیکن بھراں کے بدلے میں نید کی ناک صاف کر دیتا ہے یہ حرام نہیں۔ اس کی توال اللہ نے اجازت دی ہے۔ ایذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس وقت بکرا اپنی ناک کے بدلے نید کی ناک کاٹ رہا تھا وہ رخصت کے تحت ایک فعل حرام کا مرکب ہو رہا تھا بلکہ یہ عمل اپنی حدود میں تعلق ایک فعل حلال تھا ایک نکہ حللت اسی کا تو نام ہے کہ اللہ کی بارز پرس اور تاراضی کا خطہ نہ ہو۔

روزہ رکھنا ایک پسندیدہ عمل ہے کیونکہ اسکی پسندیدگی کا علم وحی کے ذریعے ہو چکا ہے۔ لیکن لئنی کے چند دنوں میں یہی روزہ حرام بھی ہے۔ گویا سال کے سال، اس عمل پر باری تعالیٰ کی طرف سے سبز روشنی پڑتی رہتی ہے، لیکن چند روزوں کے بعد اس روشنی کی تھی رہتی رہتی ہے۔

چند روزوں کے بعد اس روشنی کو آف کر کے مسرخ روشنی ڈال دی جاتی ہے۔ ان چند روزوں میں اس عمل کو مسرخ روشنی سے نہیں وہی نسبت ہوتی ہے جو باقی تمام دنوں میں سبز روشنی

جھوٹ کشا طراغنا ہے لیکن خود شارع علیہ السلام فدا
اچی وابی اجازت دیتے ہیں کہ جس صورت میں کسی جھوٹ پر
زور و مشورہ کے تعقیل کا بغا منحصر ہو اور سچ پہنچ کی صورت
میں طلاق و انقطاع تک ذہبت پہنچ سکتی ہو ایسی صورت
میں جھوٹ جائز ہو جاتا ہے۔ حالانکہ طلاق جان جو کھوں
معاملہ نہیں۔

صلی یہ کہ دلاؤں میں سکم ترمیا کو اختیار کرنے کا
ضابطہ نہ دیے اکراہ تک محدود ہے جس کی مثال مولانا
اصلاحی نے دی نہ دیے "اضطرار" تک جس میں جان بجا
کی خاطر ختم خنزیر جائز ہو جاتا ہے۔ موصوف کی قلمی متنگ
سے جو مخالف طریقہ ہوتا ہے اس سے بچتے ہوئے آگے کی
بحث ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا اصل نقطہ بحث کو غدر بود کرنے اور بات
ابھانے کی خاطر بھولے بن کر جماعت اسلامی سے پوچھتے
ہیں کہ :-

"آخوندہ کی اضطرار لاحق ہوا کہ شریعت کی ایک حرمت
کو جس کی حرمت آج بھی آپ حضرات کے نزدیک
"علیٰ حال" قائم ہے، حلت میں تبدیل کر پا رہا؟" کیا
یہ اضطرار ہیں آیا کہ متعدد ماذ کے چار شرکوں کے آپ
حضرات کی رائے کا محادطہ کئے بغیر ایک عورت کی
حدادت کا فیصلہ کریا اس وجہ سے آپ کو عورت کی
حدادت و امارت کی حرمت کو حoldt میں تبدیل
کرنا پڑتا۔ اگر یہ اضطرار ہے تو یہ امانا پڑھیا کہ متعدد
مذا کی شرکت آپ حضرات کے نزدیک لیتے وجب
شریعی کی جذبیت رکھتی ہے جس سے محروم ہوئیں کے مقابل
میں شریعت کے ایک حرم کی حلت میں تبدیل کر دینا
اہون ہے۔ کیا آپ حضرات کا موقوف یہ ہے؟ اگر یہ
موقوف نہیں ہے تو پھر تو اور کسے شرع یہ وہ اضطرار
نہیں ہوا جو کسی حرم کو ایک حضرات کیلئے جائز قرار

ہوتا ہے کہ حرمت کا مل طور پر مقطعہ ہو جکی ہوتی ہے۔

ایک اور نازک سی علمی علطی بھی اہل علم ہیاں نوٹ
فرائیں۔ "اضطرار" اور "اکراہ" جبکہ میں کی دو الگ الگ
قسمیں ہیں۔ دونوں سی قسمی علطی بھی اہل علم ہیاں نوٹ
اصل اسلامی نے کلمہ کفر کہنے کی جو مشال دی وہ فی اصطلاح
کے اعتبار سے "اضطرار" کی مثال نہیں ہے۔ "اکراہ" کی
مشال ہے (من گفر بالله مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ اللَّهُ مَنْ
أَكْحُوَةً وَّ قَلْبُهُ مَطْمَئِنٌ بِالْإِيمَانِ) اضطرار کے لئے
قرآن نے تین جگہ (لقرہ۔ انعام۔ سخن) فہرست اضطرار غیرہ
بیان کر جسکل کو بیان فرمایا ہے اس میں "اکراہ"
نہیں بلکہ اضطرار ہے۔ لیکن مولانا اصل احمدی مثال تو "اکراہ"
کی لائتے ہیں اور فوراً ہی بات چھپڑ دیتے ہیں اضطرار کی۔

جیسا کہ ابھی ہم ان کی عبارت نقل کریں گے۔

یہ اظہار ایک لطیف خادی ہے لیکن اس کا ناجائز
فائدہ موصوف کو یہ پہنچاتا ہے کہ ایک عام آدمی ان کی اکراہ والی
تمثیل کو پڑھ کر خواہ مجواہ اس غلط فہمی میں بدلنا ہو سکتا ہے
کہ حرم کو اختیار کرنے کی اجازت اسلام نے صرف اسی
صورت میں دی ہے جبکہ جان کی بازی لگی ہو۔ مرگ و جہت
کا سوال درپیش ہو۔ یہ غلط فہمی دماغ میں بیٹھ جائے تو پھر
مولانا کے سامنے ہی اعتراضات آپ سے آپ برق نظر آنے
لگیں گے کیونکہ یہ توظاہر ہی ہے کہ کسی بھی امیدوار کی حیات
یا حیالفت کرنے کے لئے جماعت اسلامی کی گرد دن پر کسی نے
تلوار نہیں رکھدی تھی۔ نہ غرجاہندار ہے کہ صورت میں
چھانسی کا اندازہ تھا۔ پھر بھلا ایک شعی منوعہ کو اختیار کرنے کی
حصارت کیسی!

ہم قارئین کو بتاویا جا ہتے ہیں کہ یہ فقط مخالف طریقے
اھوؤن الْبَلِيَّتَيْنِ یعنی دو ناگزیر بلوؤں میں سے ایک کو
اختیار کرنے کا شرعی اصول صرف ایسی ہی حالت تو نامحدود
نہیں ہے جب جان پر بن آئی ہو بلکہ وہ وسیع ترین ہے اور
ایسی ہزار شکلیں مصوہر ہیں جنہیں جان جانے نہ جانے کا کوئی سوال
ہی موجود نہ ہو بلکہ یہ اصول وہاں کا فرمائی کرے۔ مثلاً

کوئی امر و اجتباب مطلوب جن وسائل میں مختصر نہوتا ہے وہ خود بھی واجب ہو جایا کر ستے ہیں۔ البتہ یہ ضرور کہ سلکتے ہیں کہ یہ واجب ان لوگوں کے لئے تھیں ہے جو نہ تو سماست شریعہ میں دستگاہ رکھتے ہیں نہ انھیں اقامت دین کی لئے بھائیانہ ان کے نزدیک امریت یہی کوئی خرابی ہے۔ ہاں ان لوگوں کے لئے یقیناً ہے جنھیں اللہ نے ہم رسادی ہے، جو حسوس کر سکتے ہیں کہ خلقت خدا کو دیو استبداد سے بچانا اور عادلانہ نظام حکومت کے لئے قن من و عن سے کوشش کرنا ان کی ذاتی ذمہ داری اور فرضی منصبی ہے۔

ہم خلصہ اور مشورے دین گے کہ ہولانا اسلامی "حلقة تدبیر قرآن" ہی تک اپنی تگ و دو محدو دو رکھیں اور ان مسائل میں نہ طریق چوکری نظریت اور خالی علمیت سے بالاتر ہیں۔ یہ ظفر ہیں، اس کا ثبوت — ظعنی ثبوت اُسی وقت مل جائیکا ہے جب وہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ علیحدگی کی بنیاد میں چاہے جذباتی زاویوں نے کچھ بھی کارنس رمائی کی ہو، نظریاتی موضوع اختلاف ہی تو تھا کہ جماعت اسلامی انتخاب میں حصہ لے مانے۔ جو لوگ فقط نظریت کے بعد تھے اور جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت کو صرف زبان اور قلم چلانے کے دائروں تک محدود بھجتے تھے کھاں کھڑے ہوئے اور درہائی دی نہر و تقویٰ کی۔ یہ آج بھی اُن امور و مسائل کی نزدیکیں کیسے سمجھ سکتے ہیں جن کا تعطیل عمل "تصادم" دفاع و اقتداء اور جرب و ضرب ہے۔ ذرا دیکھئے آگے کی عبارت میں ہولانا اسلامی نے اسی سادہ لوحی کا ایک اور ثبوت دیا ہے یا نہیں۔ فرمایا:-

"ایک احضار ایسی بھی ہو سکتا ہے کہ مخدودہ مجاز کے اندر سے کوئی مرد ہو ہی نہیں۔ اس وجہ سے عورت کے انتخاب پر محروم نہ ماننا پڑا ہے۔ اگر بات حقیقی تو اس کی کو باہر سے کوئی مرد تلاش کر کے پورا کیا جاسکتا تھا۔ آخر سلطہ جنگ بھی تو مخدودہ مجاز سے باہر ہی کی ہیں۔ اگر باہر ہی کوئی مرد ایسا موجود نہیں تھا جو صدور ایوکے مقابل میں کھڑا ہو سکے تو اسی احضار کے تحت جس کے تحت

"دے دے"

اہل عقول موجیں کر مخدودہ مجاز کی شرکت ہو یا فاطح جماعت کی تائید۔ یہ تو محض وسائل و ذرائع کے درجے کی چیزوں ہوں جو مدعی ہے وہ تجھے جو جماعت اسلامی کے پیش نظر ہے۔ مولانا اصلاحی تجھے سے آنھیں بند کر کے وسائل ہی کو مدعا باور کرانا چاہتے ہیں۔ یہ یا تو فریب دہی ہے یا کام فہمی۔ اصل نکتہ بحث طلب یہ ہے کہ جب مخدودہ مجاز کے معاشر بیویوں نے نامہ جماعت کو مقابلہ صدارت کے لئے چون لیا تو جماعت اسلامی پاکستان کے لئے دو ہی راہیں تھیں۔ یا تو وہ اس سے اختلاف کرتی یا اتفاق۔ اختلاف کا لازمی مطلب یہ ہوتا کہ وہ آگے کے لئے بھی اُس مسجد، زیان کار اور قاہر حکومت پر راضی ہے جس کے نافذ کردہ عاملی قوانین کو خود مولانا اسلامی بھی تصدیق سنت سے متصادم تراویدے چکے ہیں۔ جس کے کردائی کی نہیں میں کا لے قانون اور آزاد نیفسوں کی حقوق و افروزش اور میں پائی جا رہی ہے اور جو پاکستان میں کمال ازم کی راہیں ہووار گرد رہی ہے۔

اور اتفاق کا مطلب ہوتا کہ وہ اس استبداد کو ایک ایسے جموروی نظام میں یہ لئے کی خواہش نہیں ہے جس میں لائے عامہہ کو اسلامی آئین کے لئے منظم کرنے کا موقع فراہم ہو سکے۔ اب بتائیے وہ کیا کرتی۔ کیا شخص اس وجہ سے کہ جموروی نظام کی امید افزای جدوجہد کے لئے قتی طور پر ایک عورت کو سر برہا ماننا پڑے کا غیر جائز اور این جاتی؟ — مان لیا کہ عورت کو سر برہا بنانا کوئی اچھی بات نہیں لیکن احمد سے احمد آدمی بھی مشکل ہی سے یہ صریح البطلان رائے ظالم کر سکتا ہے کہ اس کراہت سے بچنے کے لئے اس استبداد اور طبیعت شب پر قافع رہنا چاہیے جو نہ راحراہیوں کی ہمیم داتا اور انسانی دل اسلامی افتخار کی حریت مبنی ہے۔

آزاد نیفسوں اور کاملے قاؤنوں کی نہیں منصفاً نہ آئین و دستور کی حکومت لانے کا مدار الگ اسی ایک بات پر رہ گیا تھا کہ جماعت اسلامی مخدودہ مجاز میں شرکت کرتی تو ظاہر ہے اس شرکت ہی کا درجہ و جوب شرعی کا درجہ تھا۔

ہے۔ ذریشوریتِ اسلام میں اتنی عقل و شمن ہے کہ چھوٹی مصیبت سے بچنے کے لئے ہزار لگنا بڑی مصیبت قبول کرنے کا مشورہ دے ذریشوریت اتنی نامعقول ہے کہ عورت کی جمہوری سربراہی کو ایک لیسے مرد کی سربراہی سے بڑی مصیبت قرار دھیں کی امریت اور مطلق العنانی تکستے بالاتر ہو۔

دوسری بات مولانا نے یہی کہ چند منٹ کے لئے کسی عورت کا امام نماز بن جانا اور سالہا سال کے لئے کسی فاسق و مستبد مرد کا پوری قوم کے سرپر مسلط ہو جانا دونوں باتیں یکسان ہیں جن کے احکام کو ایک دوسرے پر قیاس کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چونکہ عورت کی امامت نمازو درست نہیں لہذا صدارت بھی درست نہیں۔ فاسق مرد کی امامت نماز جائز ہو سکتی ہے تو پوری قوم کو صبر و شکر کے ساتھ اس کا تقدیر جبرا و رضا کی طرح شب بھی گوارا کرنی چاہئے خواہ گرد دن چھڑانے کا کوئی نریں موقع باقاعدہ ہی رہا ہے۔

ہم ہر اس شخص سے جس کے کام سرمنی کامے بھیں کا کاد ماغ ہیں انسان کا مغرب ہے سوال کرتے ہیں کہ کیا قیاس کی اس سے بدتر اور سیفہا نہ نظری اس نے کبھی دیکھی یا سنی ہے؟ کیا وہ تصویر بھی کہ سکتا ہے کہ اک حالم ہوش خواں کی سلامتی میں یہ دعویٰ کر سکے گا کہ ایک وقت کی امامت نماز اور پانچ سال کی صدارت ملک و قوم یکساں اور ہم وزن امور ہیں؟

اللہیاذ باللہ۔ افلام فہم و بصیرت کا استاصبح منظاہرہ تو چہلا ماں بھی شکل ہی سے کریں گے مگر بامہوس تعصب اور غیظ کا مولنا اصولی جیسا عالم یہ سب کہہ رہا ہے نہ ادونوں امور کا مولنا کے دیکھتے۔

اول تو عورت کی امامت نماز عملی سطح پر فقط ایک مفروضہ ہے یا دوسرے لقطوں میں ایک نظری مسئلہ جس سے واسطہ پیش آنے کا بھارے زمانے میں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دور راست میں بطوط علمی حضور نے عورتوں کو دروں خانہ نماز باجماعت کا اذن فرمایا تھا۔ اس طرح

آنے میں فاطمہ جناح کو گوارا کر لیا، صدر ایوب ہی کو گوارا کر لیتے۔ آخر وہ گھنگار ہی ہیں، کافر تو نہیں ہیں؟ اگر کسی کو ایسی مجبوری پیش آجائے کہ اس کے سوا چارہ نہ ہو کہ ایک عابدہ اور زادہ عورت کی اقدامیں نماز ادا کرے یا ایک گھنگارہ مسلمان مرد کی تو آخر وہ کیا کرے گا؟ عابدہ وزادہ عورت کو اہم بلکے گھنگارہ کو اسلامی شریعت کی رو سے سس فاطمہ جناح تو درکنا ر حضرت رابعہ بصریہ کے پیچھے ہیں ایک مرد کی نماز نہیں ہر سکتی لیکن ایک فاسق مسلمان کے پیچھے ہر سکتی ہے۔

دیکھا آپ۔ نماز کی امامت کو اور قوم کی امامت کو کسی تبلیغی سے مولانا نے ایک بھی سطح پر رکھ دیا۔ یہ جماعت تبلیغی کے کسی انکھڑ طحیب کا خطبہ نہیں بلکہ اس مشہور عالم کا شری پارہ ہے جو بزرگ خود فرمیم وحدید دنوں پر عبور رکھ لے سمجھیے آپ مولانا نے کیا ہما؟ مولانا نے ایک بات تو یہ کہ فاطمہ جناح چونکہ عورت ہیں اور عورت کی سربراہی جائز نہیں اس لئے اب بیعت دیکھو کہ غیر جائز امر سے بچنے کی کی عورت میں جس مرد کو حکومت گوارا کرنی پڑتی ہے اس کا کدر ایٹک اسلام اور جمہوری انصاف کے رخ رکھا رہا ہے۔ ساری دنیا کے فقہاء بلا سے پکارے جائیں کہ تو مصیت تو میں سے چھوٹی مصیبت کا انتخاب کرو گئے مولانا اصلہ احمد اس سب کو احتجاج تراویث ہوئے فرمائیے ہیں کہ ہرگز نہیں طبی تعلیمات مولیٰ نو، چھوٹی سے پرہیز کرو۔ گو بھا۔ چھڑیا کی بیت چھوڑو۔ یا پھر وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن دست کے صریح خلاف تو این بنانے والا اقتدار اور من بنانے اور ڈینتوں کے ذریعہ مخلوق خدا کے حقوق پر ڈالکہ مار نیوالی حکومت طبی مصیبت نہیں ہے بلکہ طبی مصیبت عورت کی سربراہی ہے چاہئے اس سربراہی کے طفیل جمہوری انصاف اور اسلامی اقتدار کے حق میں کتنی ہی توقعات باندھی جا سکتی ہوں۔

دونوں میں سے جو بھی مشاور مولنا کا ہے غلط ہی غلط

نے نکیر نہیں کی۔ متع نہیں کیا۔ بارش، آندھی، شدید سردی یہ ساری چیزیں جماعت چھوڑ دیتے کا عذر شرعاً مانی گئی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ شاذ حالتوں میں کسی مرد کی ایک جماعت چھوٹ جانشی کی کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں تھی جس نے لحاظ میں اصول کو نظر انداز کرنے کی اجازت دی جاسکتی۔ علاوہ ازین الفرادی نقصان — چاہیے وہ طراہی کیوں نہ ہو اجتماعی نقصان کے مقابی میں کیا وزن رکھتا ہے۔ یہ تو فقط جات تھی۔ اگر ایک شخص کی نماز ہی قضاہ ہو جائے تو وہ فقط الفرادی معاملہ ہے۔ پورے معاشرے اور امت کے سودوزیاں کا اس سے کیا مقابلہ۔ الفرادی ہونے کے سواب یا ایک وقتی معاملہ بھی ہے جو حینہ ساعتوں میں محدود ہے۔

اب ذرا اُس قومی امانت و صدارت کا تحریک
کیجئے جسے مولانا اصلاحی نماز کی امانت پر قیاس فرمائیں ہیں۔
یہ امانت و صدارت ہر اعتبار سے بالکل درستی شے ہے۔
نماز میں امام کو متین افعال و اعمال کرنے پڑتے ہیں۔ وہ
عورت ہو یا مرد۔ فاسق ہو یا صاحب الحُجَّ غصہ و ریما نہ مزاج
سنگدل ہو یا رقیق القلب۔ ہر حال میں اسے لئے بندھے
طریقے پر نماز پڑھادیتی ہے۔ لہذا کوئی امکان اس بات
کا نہیں کہ کسی عورت کو امام بنادیا مرد کو امام بنائیں مقالے
میں عمل زیادہ ہفیڈ اور ترجیح خیز ثابت ہو سکتا ہو۔ ناسکا
کوئی امکان ہے کہ کوئی لگانہ گارا امام نماز کے معینہ ارکان
میں رد و بدل کر دے۔ لہذا احوالیت جبوری ایک لگانہ گار
کی امانت میں نماز ادا ہو یہی جانی چاہیئے لیکن مرد و زنان
کے مطابق کسی تھی کا پوری قوم کے سر پر پائیں سال کے لئے
بطور صدر مسلط ہونا یا پس جدید اکاذشے ہے۔ اس کا تعین
پوری قوم، پورے معاشرے کے سودوزیاں ہے۔ صدارو
امیر کے حراج، رحمات، کردار اور عدل و ظلم کے حرج پر
اس کے طرز فکر کا اثر کروڑوں افراد پر پڑتا ہے۔ امام نماز
کی طرح اسے قرآن کی حینہ میں پڑھ کر اور متینہ طور پر قیام
قعود کے بعد صدارت ختم نہیں کر دیتی ہے۔ وہ فوج اور
پولیس کے بل پر من ملنے احکام جازی کر سکتا ہے۔ ظلم دھا

ایک نئی چیز کو عورتوں نے نہ آسانی سیکھ لیا۔ پھر یہ فصل
ختم ہو گا۔ اب ہل عقل سوچ کر بتائیں کہ کب کہاں ایسی ہوت
پیش آسکتی ہے کہ مرد موج ہوں مگر مصلحت وقت یہ تقاضا
کرے کہ امام نماز عورت کو بنایا جائے۔ بڑے سے بڑے مساحتی
ماں سطحی کھی شکل ہی سے کوئی ایسی شکل تباہ کے حاکم مردوں
کی موجودگی کے باوجود عورت کو امام بنانے میں نسبتاً فوائد
مصلح زیادہ ہوں۔ جب ایسی شکل میں عقل اور عادۃ عنقا
ہیں تو کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ جس س مذکور جسے اللہ نے عورت پر
قوام بنایا ہے۔ عورت کی مقدرتی بنے اور نسبتاً مکروہ و روناق
جنس امامت کرے۔

پھر جیتنے مولانا اصلاحی کی خاطر ایک یہ صورت فرض
کئے لیتے ہیں کہ کسی جگہ عورتوں کی جماعت ہو رہی ہے۔ دعویٰ
ایک مرد و زن آتا ہے اور دو نقصانوں میں سے ایک کو کو ادا
کرنے پر جبور ہو جاتا ہے۔ یا تو عورت کے تیجھے شریک عورت
ہو کر اپنی پیدائشی برتری پر حرف لائے یا جماعت ترک
کرے۔ آس پاس کوئی مسجد نہیں ہے جہاں اسے اس
وقت کی جماعت میسر آسکے اور ساتھ میں کوئی مرد بھی نہیں
ہے کہ یہ مل کر علیحدہ اپنی جماعت کر لیں۔ اب فقہاء و پیغامبر
ہیں کہ اسے شریک جماعت ہو جانے کی اجازت دین تو اسی
کی قوامیت کے اصول پر غبار آتا ہے اور نہ دین تو اسی
جماعت جاتی ہے۔ اخنوں نے قیصلہ کیا اور پیغامبر کا
جماعت بلاسے جاتے۔ کبھی شاذ و نادر کسی ایک شخص کی
جماعت ترک ہو جانا ایسا بڑا نقصان نہیں ہے کہ اسی کی
خاطر مرد و زن کے طبعی فرشت اور مراتب کو نظر انداز کر دیا جا
سکے۔ ہر ہوشمند سوچے۔ باعذہ ترک جماعت الگ چیخت
گناہ ہے لیکن شریعت نے بہت عمولی عذر بھی اس کے
ترک کے لئے قبول کئے ہیں۔ آپ سفر میں جاتے ہیں۔ لکنی
ہی جماعتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ شریعت نے یہ قید نہیں
لگائی کہ جب تک شدید ضرورت نہ ہو سفر جائز نہیں ہے
لیکن کہ سفر میں یہی جماعتوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ بالل
معمولی اور خالی دنیاوی اغراض سے سفر پر بھی شریعت

کی حاصل بن چکی۔ ہے لہذا چون شخص نماز کی امامت "کام جریتا ٹھاکر" لاتا ہے وہ یا تو اپنے مجاہدین کو بیرے سرے کا لارڈ ہا مجھ تھا ہے یا پھر وہ خود ہی کسی مرض یا الفسیانی ایجاد کی بناء پر عقل سے فالخ ہو بیٹھا ہے۔ پیارے بھائی۔ حضرت الربيع بن عاصیؓ کے تجویز تمردؤں کی نماز اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ نہ اوصاص الحجۃ ہی بلکہ عملی طور پر وہ نمازوں میں وہی کچھ کریں گی جو ایک دنیادار یا فاقہت امام کر سکتا ہے۔ سجدے دو کے تین اور رکوع ایک کے دونہیں کر سکتیں تھے اُن بھی وہی صاف طبعیں گی جو فاسق امام پر ہوتا ہے۔ رکعتوں میں بھی کسی بیشی نہ کر سکیں گی۔ پھر کیا فائدہ انھیں امام بنانے سے جب کہ صاحبیت و ولایت نے ان کی جنس نہیں بدلي اور جنس نہیں بدلي تو وہ فقص و کم وزنی بھی دور نہیں ہوئی جو تکوں ایسی نئے عورت میں رکھی ہے۔ اس فقص و کم وزنی کو نظر انداز کرنے کے لئے کوئی معقول اور حسوس وجہ ہوئی چاہئے۔ وجہ نہیں تو اصول طبعی کس لئے پس پشت ڈالا جائے۔

اور محترم درست! فاسق کے پیچے اس لئے نماز جائز ہو جاتی ہے کہ بلا سے وہ عام زندگی میں کچھ بھی کرتا پھرستا ہو، دوران امامت میں وہی سب کرنے پر بحور ہے جو صلح سے صالح امام کر سکتا ہے۔ وہی قرأت، وہی رکوع و سجدہ وہی تعدا رکعتاں۔ لہذا الگ وقت پر کوئی غیر فاسق مرد امامت کے لئے موجود نہیں ہے تو ترک جماعت سے بہتر ہے ہو کا کہ فاسق ہی کو امام بنایا جائے۔ نہ کوئی اصول طبعی لوتتا ہے، نہ دوران صلوٰۃ میں شعث کے گل کھلتے ہیں۔ ہاں عورت کو امام بنالتو اصول طبعی پر حرف آیا اور فائدہ شمشہ برا برہنہ ہوا۔

مگر بحورت کی جمہوری امامت شیخ دیگر ہے۔ ایک عورت غلط ماتھوں سے اقتدار نہیں کر قوم کی طرف منتقل کرنا چاہتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ امریت ختم ہو اور بحور کو حقِ حکمرانی سے۔ وہ نماز کی امام عورت کی طرح اس پر بحور نہیں ہے کہ بھیک وہی کسے جو مرد امام جناب الیوب خان کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ وہ اُس سے بالکل مختلف رہا اختیار کرنے والی ہے جسے الیوب خان نے اختیار کیا ہے۔ اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ زیر بحث اختیاب جنگ میں ایک فریق کی کامیابی پوری قوم کے لئے علاً

سلکتا ہے، کاملے قانون بناسکتا ہے اور پاکی سال میں پوری قوم کا کچھ نکال سکتا ہے۔ اس کی امامت کو نماز کی امامت پر قیاس کرنا اس سے بھی زیادہ احتمال ہے جتنا اطمینان کو پڑیا مارتے والی تھرستے دار بندوق پر قیاس کرنا۔

ایک بار پھر سمجھ لیجئے۔ نماز کی امامت چند بندھے میں کے افعال کو دہرانے کا نام ہے اور ایسی کوئی صورت قطعی طور پر ناممکن ہے جس میں یوں کہا جائے کہ مرد کی جائے عورت نماز کی پڑھادے گی تو مقتدیوں کو عملہ زیادہ منافع حاصل ہو سکیں گے۔ لہذا فاسق مرد کی امامت گوارا کر لیتا جائز ہوتا ہی چاہئے جیکہ دوران امامت میں اس کے فتن کوئی خرمسی اور شرارت کے اخبار کا موقع ہی نہیں ہے اور عورت کی امامت کو مرد کے ہن میں ناقص ہونا ہی چاہئے جیکہ خواہ خواہ تو امیت کے اصول پر حرف لانا بلا کسی فائدے اور مصلحت کے نامعلوم بات ہے۔

لیکن قوموں کی امامت وحدت ادارت ایسا کوئی لکھا جائے عمل نہیں۔ وہ ایک منصب ہے جس پر فائز ہونے والا اگر ظالم خود رہے تو قوم کی قوم پر مصائب و آفات کے باول چھا جائیں گے۔ اگر فاسق و فاجر ہے تو پورے معاشرے میں فسق و فحور کی فصلیں سربرین ہوں گی اور صاحبیت منھر چھانی پھرے گی۔ وہ اگر احق ہے تو ملک کا سنتیاناں ہو جائیکا وہ اگر عادل ہے تو بورے ملک میں عدل کی قدر ایں فشرغ پائیں گی۔ لہذا ایکیسے تمکن ہے کہ امامت قوم کا حکم امامت نماز جیسا ہو جیکہ دوران امامت میں امام کی ذاتی صلاحیتیں، روحانیات اور افکار و کرد اپنی اتر انگریزی اور کارکردگی کے لئے آزاد ہیں۔ برخلاف نماز کے کہ وہاں انھیں کوئی آزادی نہیں۔

آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ایک ایسی ساعت آئئی ہے کہ مس قاطرہ جناح کی ذات میں ایک مستبد فاسق اور خود سر اقتدار کے خاتمے اور بحورت کے ایجاد کی امیدیں مرکوز ہو گئی ہیں۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ”عورت کی امامت قوم“ لکھنے علم انقلاب اور کیسے دور میں اثرات و مضرات

لکھیے! — جس بیز کو پروپگنڈے کے طسم نے "مقبولیت" باور کرا رکھا تھا وہ تو حضنِ مروعیت اور خوف زدگی تابت ہوئی فوج کے میں پر جس شخص نے حکومت کا تختہ اٹا ہواں سے عوام کا ڈر جانا قدر تی بات ہے۔ پھر مارش لائی تو این ان اور آڑ دیننسوں کا جو چکر مسلسل چلتا رہا وہ بھی اس کے لئے کافی تھا کہ عوام کے لیوں پر تالہ پڑا رہتا۔ کیفیت وہی تھی جو اس جو الٹکھی کی ہوتی ہے جس کا دار بھاری پھروس سے پاٹ دیا جائے۔ عوام کا ہبہ و سکوت الیوب خان کے قبول عالم پر مبنی تھیں تھا بلکہ نفرت اور بیزاری کا لاد اندر ہی اندر کپ رہا تھا۔ ایک موقع اس لاد کے کمزور لگانے کا لاملا اور یہ پھروس کو ہواں ایں اُڑتا ہوا بیوے جس و خوش سے اُبل پڑا۔ دنیا کے کسی غیر جانبدار اس پر فیضات سے پوچھ دیکھو وہ بتایا کہ جس مقبولیت کی جڑیں دلوں اور دماغوں میں ہوتی ہیں وہ ہوا کے ایک تیر جھوٹکے سے ملبے کی طرح پخت ہتھیں جاتی۔ اور جو بیزاری اندر ہی اندر پروردہ شپار ہی ہو وہ اچانک لاد سے کٹا جھپٹ پڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

رہایہ کہ پھر کیوں، نہ حزبِ تھالف نے کسی بھی مرد کو کھڑا کر دیا چوں ایوب خان کو شکست دیدیتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں اگر لیں ہوں، "دق اور اس کا شکار ہوں، تو کسی سچ شخس کے مقابلے سے میرا جان چرانا اور درنا یہ مطلب ہے نہیں رکھتا کہ شخوں بہت بڑا ہوں ہے۔" قوت نا ہے بائیکی اتحاد اور ضبطِ اذن کا۔ جن لاطھا تم نہیں کر دوں یہ حکومت کر گئے مگر جب انھیں نکلنے پر قوم مخدود پوچھی تو انھیں رخت سفر باندھنا پڑا۔ اسی صورت ہیاں بھی تھی۔ حزبِ تھالف کسی کو بھی کھڑا کر کریں اس پر ملک کی معتمدہ اکثریت کا تھقیل ہونا حالات میں سے تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ الیوب خان کی مقبولیت نہیں بلکہ حریف کی کمزوری اسے ہرا جاتی۔ دنیادیکھ ہی رہی ہے کہ جو پانچ جماعتیں فاطمہ جنت احمد کے حق میں مقتول اخیال ہوتی ہیں وہ دوسرے سائل میں باہم مشترک نہیں ہیں۔ وہ وقتاً فوچت ایک دوسرے کے خلاف سرز جگ لڑتی رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اپنا نام منداہ کھڑا کرتا تو دیرینہ رقبتیں

جن اثراتِ دنیا جس کی حامل ہو سکتی ہے وہ ان اثراتِ دنیا جس سے کس قدر مختلف ہیں چہ دوسرے فرقن کی کامیابی سے وابستہ ہیں۔ پھر ان کا پھیلاوز مان و مکان کی تن و سیع حدود تک ہے حالانکہ "اما سمت نماز" میں زمان و مکان دونوں حدود ترا اور ہر قسم کے اہم کی جنبش و حکمت بالکل یکساں۔ پھر بھی اگر کسی کے نزدیک ہولا نا اصلاحی کا استدلال چلکے سے زیادہ کوئی چیزیت رکھتا ہو تو اس کی فہم و فراست پر حیرت کرنے کے سوا کوئی چیز نہیں۔

ایک مغالطہ

معلوم نہیں مغالطہ ہولانا نے دیا ہے یا کھایا ہے۔ بہ صورتِ مغالطہ و تھیس پر۔ فرمایا گیا۔

"ایک هفڑا یہ حضرات یہ بھیں کرتے ہیں کہ میں فاطرِ جاح کے سوا کوئی دوسری شخصیت لسی نہیں تھی جس کو صدارت کے لئے نامزد کیا جاتا تو اس کے منتخب ہٹنے کی لوعت کی جاسکتی۔ یہ عذر رکھنے کا سبب نزدیک صحیح ہے۔ اسیں شہ نہیں کہ الگ روئی اور صاف کھڑے ہوتے تو صدر ایوب کے مقابلے میں وہ پانچ سات فیصد ووٹ سے زیادہ نہ حاصل کر پاتے لیکن یہ بیز صدر ایوب کے حق میں جاتی ہے نہ کہ ان کے خلاف۔ اس حقیقت کی روشنی میں تو ان حضرات کو هفڑا صدر ایوب کو قبول کرنے پر ہونا تھا ان کے ساتھ دنیا ج کی نامزدگی پر۔ اس لئے کہ صدر ایوب کو مقبولیت جو اس ملک میں حاصل ہے کہ ان کے مقابلے میں تھی وہ حاصل کر جاں ہیں سے کوئی صاحب کھڑے ہونے کی حراثت نہ کر سکے وہ اس بناء پر نہیں ہے کہ وہ قادر اعظم کے بھائی ہیں بلکہ اس بناء پر ہے کہ انھوں نے اس ملک کی خدمت کی ہے۔"

صدر الیوب خان کو اپنے ملک کے عوام میں کتنی مقبولیت حاصل ہے اس فردوسِ خیال کے قرخ سے تو موجودہ انتخابات نے ایسا پر دہ اٹھایا ہے کہ خامہ امگشت بزرگان ہے اسے کیا

اگر واقعہ تم پہلے ناظم کے مارچ ہوتے اور تھا اس قدر بڑھتے ہیں اس کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہوتے تو میری ششکش اور تجویز پر سو اسے خدھہ اسٹھرا اور کھلے اعراض و انکار کے بھی تھماری طرف سے کوئی جواب ملتا۔ تم نے اگر نہایت خوش دلی اور گرجو شنی سے میری تجویز کو قبول کر لیا ہے تو اس کے فقط اور فقط ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں کہ پہلے ناظم صاحب کے لئے تمہارے دل میں کوئی بلکہ نہیں تھی۔ تم اپنی امین و مندرجہ نہیں سمجھتے تھے تھماری نظر میں وہ اپنے فرانچن ٹھیک طور پر اجماع نہیں دے رہے تھے۔ تھماری ان کے باشے میں خاموشی پسندیدگی کا ظہر نہیں تھی بلکہ درا در صلح است کے تحت ہونزٹ بھینچ ہوئے تھے۔

از شیخ حسوس کرتے تھے کہ اگر بزرگی و مخالفت کا انہما کیا تو سارا کاروبار ناظم صاحب کے قبضے میں ہے، وہ نہ جانتے کتنا نقشان پہنچا بھیں۔ بے چینی سے منتظر تھے کہ کوئی اچھا موقع اپنی عزوں کرنے کا ٹھیک اور اس سے فوری فائدہ اٹھا جاؤ مولانا اصلحی جتنا زیادہ زور اس پر دیتے ہیں کفاظہ جناح میں کوئی ذاتی قابلیت نہیں اتنا ہی زیادہ یہ اصر مٹو کد ہو جاتا ہے کہ عوام کے دلوں میں صدر الوب کیلئے برائے نام بھی جگہ نہیں تھی۔ جگہ نہ ہونے ہی کی وجہ تو بھی کروہ فاطمہ جناح کے کھڑے ہوتے ہیں الوب خان کی مخالفت پر اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے بھوکاروں پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ جیسے وہ تھیت کئے پیٹھے ہوں کہ بال برا بروموجع ملا اور وہ الوب خان کو ملکا رکھے۔

پھر سمجھو۔ اگر الوب خان کے مقابلے پر کوئی ایسی تیکھی کھڑی ہو تو جس کی ذاتی صلاحیتیں مسلم ہوتیں اور اس کی بہت بچھہ خدمات ہوتیں تب تو یہ تجویز بھی کی جا سکتی تھی کہ عوام الوب خان کو پسند تو کرتے ہیں لیکن اسی تیکھی کو وہ کچھ زیادہ پہنچ بھجو کر اپنا سرمیراہ بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن جب کہ فاطمہ جناح میں لقوں مولانا اصلحی کوئی بھی وجہ سواتے قائدِ اعظم کی بہن ہونے کے کشش کی موجود نہیں ہے تو روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ الوب خان کی مقبولیت تو سطحِ سند رکاوہ سکوت تھی جس کے نیچے طوفان کر دیں لے لئے ہوتے ہیں۔ عوام اپنیں بھجو رکھے۔

آڑے آجاتیں اور باقی جماعتیں بجائے ساٹھ دینے کے اختلاف کے جھٹپتے اُٹھاتیں۔ اسی لئے انہوں نے بڑی دلائی کے ساٹھا ایک ایسی سہی کو چنان ہے جو سبکے لئے قابل قبول ہو اور عوام اس کی پشت پتا ہی میں اپنے دل کی بات زبان پر اسکری یہ جو مولانا اصلحی فرماتے ہیں کہ:-

”مس فاطمہ جناح کو جمیلیت خالی ہے اس میں ہرگز کوئی دخل نہ تو اس بات کو ہے کہ انہوں نے ملک و قوم کی کوئی خواست کی ہے اور نہ اس بات کو ہے کہ ان کے اندر ملک کے مسائل کو سمجھنے اور اسکے نظم و نہن کو جلاسے کی کوئی خاص صلاحیت و قابلیت ہے بلکہ وہ کچھ بھی ہے صرف اس بات کو ہے کہ وہ قائدِ اعظم کی بہن ہیں۔ اگر پیشہ اس کو خالی ہوتا تو وہ مجرد اپنی خدمت و قابلیت کے بل پر شاید پاٹ دوٹ بھی خالی نہ کر پاتیں۔“

تو یہ بجائے مولانا کی تائید کے ان کے خیالی موقف کی صفتی تردید کرنے والا ہے۔ ذرا خیال تو کہ تم نے اپنا کاروبار ایک شخص کے سپرد کر رکھا ہے۔ یہ شخص نہایت خوش اسلوبی سے اپنے فرانچن انجام دے رہا ہے۔ کاروبار ترقی کر رہا ہے تم اس کی دیانت و امانت سے مطمئن ہو۔ کوئی بھی شخص کی اس کے خلاف تھماں کے قلب میں نہیں ہے بلکہ احسان شکر گزاری سے تھماں اقلب بھورتے۔ اب میں اچانک تھماں سامنے ایک اور شخص کو لاتا ہوں جس کی کاروباری قابلیت کا تمہیں کوئی تجربہ نہیں، جس نے بھی تھماں کی کوئی خدمت نہیں کی ہے جس کی دیانت و امانت کو پہنچنے کا موقع تمہیں کی ہے جس کی دیانت و امانت کو پہنچنے کا موقع صاحب کو مرفوض کر کے ان صاحب کو ان کی جگہ رکھے لو تو بتاؤ کیا یہ نہکن ہے کہ تم فوراً آمنا و صدر قنالہ اٹھو۔ ذہرت معمولی طور پر ملکہ ایسے نیا کسے نئے صاحب بخوش آمدید کہو کہ جیسے تھی نئے بیٹھے تھے کہ ذرا سا بھی موقع ملنے پر پہلے ناظم صاحب کو کان پکڑ کر علیحدہ کر دیں گے؟ دنیا کا کوئی ہو شدید یہ ماننے کو تیار نہیں ہو سکتا کہ

اگلا شمارہ لانے کے لئے ہم جیسی گئی بھی یا نہیں لہذا بات اسی پا تکام کرنے کے لئے جستہ جستہ مطالب لیکر اخصار کی کوشش کرتے ہیں۔

میثاق کا یہ ادارہ یہ گوناگوں اغلاط کا مجبوڑ ہے۔ جمعتِ اسلامی کو گوئا اور مولانا مودودی کو مخصوصاً مطعون کرنے میں حتم مولنا نے اس کی بھی پروانہیں کی کہ اللہ کی آیات اور رسول کے ارشادات سے انصاف لیں گے مثلاً فرمایا گیا:—
”رسول اللہ پر تو عورت کی امارت کی حرمت کی وجہ آئی اور اس حرمت کے سبے زیادہ زور دار بیان کرنے والے بھی تھے۔“ (صلہ)

یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی بناء و ہم وہیں پر رکھی گئی ہے۔ ہم خوب جانتے اور مانتے ہیں کہ حضور پر قرآن سے ہدیت کر بھی وحی کا نزول ہوتا تھا اور اس وحی کو اصطلاحاً ”وحی غیر منقطع“ کہا جاتا ہے لیکن اس سلسلے کے کاملطلب یہ نہیں کہ جس کا جو چاہئے حضور کے کسی بھی قول کو وحی کا نام دیے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی بھی کافر کے لئے دعویٰ ہدیت آسان پہنچانا کہ وحی غلط بھی ہوا کرتی ہے کیونکہ حضور نے اکابر مزار میں کوشورہ دیا تھا کہ نہ اور مادہ حجوروں کے پیوند لکھنے سے کیا حاصل۔ ایامت کیا کرو۔ مزار میں نے اس مشورے کو مانا تھا تو تیجہ یہ ہوا تھا کہ اس سال فصل بہت خراب رہی تھی۔ اس پر انہوں نے حضور سے تذکرہ کیا تو حضور نے فرمایا کہ آخر علم بامور دنیا کم۔ اپنے دنیاوی معاملات میں تم خود زیادہ پتھر بھجو سکتے ہو۔ میں تو ایک بخرب ہوں۔ اگر دنی معالات میں پچھے حکم دوں تو اسے قبول کر لو۔ دنیاوی امور میں مشورہ دوں تو تم مانتے نہ مانتے کے مقابلہ پڑھ مزار میں نے حسب بات پیوند لگانے مشروع کر دیتے تھے (یہ حدیث تابید خلہ کے نام سے معروف دشہور ہے)۔

اب اگر بلا کسی دلیل کے حضور کے کسی بھی ارشاد کو وحی کا نام دینا بجا ہے تو ایک شخص کیوں نہیں کہہ سکتا کہ یہ مشورہ وحی کی بناء پر دیا گیا تھا لہذا اس سے رجوع کر لیں صریح طور پر وحی کے غلط ہو جانے کی دلیل ہوا!۔

آقائی نے ہوتے تھے۔ برائے نام ساموقع ملا اور وہ درستیاں تڑپنے کی سرگرم کوشش میں لگ گئے۔ پھٹ پٹے۔ مقابلے پر آگئے۔

آپ ذرا سمجھنے کی تو کوشش کیجئے مولانا اصلاحی کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ فقط معمولی سے زلزلے نے جس اورچی عمارت کو لرزہ براند ام کر دیا ہے وہ نہایت تحکم اور قوی البنداد ہے۔ حالانکہ جب زلزلہ کا معمولی ہونا سلم ہے تو اس کے سوا کیا ثابت ہوتا ہے کہ عمارت کی ظاہری شان و شوکت بس دکھاوا ہی دکھاوا تھی۔ سچت پر تھی رنگ چڑھکر پھر کی شکل دیدی گئی تھی اور بینا دوں میں جس بھرا تھا۔ یہ بات نہ ہوتی تو خفیف سے زلزلے کا ایک ہی جھٹکا اسے یوں زمین نر جھنکا دیتا۔ مولانا اصلاحی کہتے ہیں کہ جس زخم کے علقوں نے فقط ایک نازک انداز اور بے حقیقت ہستی کے زور لگانے پر اپنے مٹھھ مکھول دیتے وہ زخم فولاد کی بھی ہوتی ہے۔ جس جہاڑ کو طوفان کی ایک معمولی سی سوچ زیر وزیر کے دے رہی ہے وہ بڑا ہمبوطاً عظیم ہماز ہے!۔ یہ مفعک خیز تھدا دو لٹنے کے کسی مرید ہی کو سفہ ہوتا ہو یہ عامتہ الناس کے لئے بوجہ کے چزوں سے سکم نہیں۔ صفات ظاہر ہے کہ جس جیز کو خوش فہمی سے عوامی مقبولیت سمجھا گیا تھا اور سکریٹریزم زدہ علقوں میں آج بھی سمجھا جا رہا ہے وہ ایک خوشنما فریب تھا۔ ملسم خواب تھا۔ شعبدہ تھا۔ خوام کے قلوب کو جہاں ذرا ہمبوٹوں تک آنے کا موقع ملا۔ ملسم بکھر گیا۔ یہ سپنائٹ گیا۔ یہ شعبدہ پکڑ لیا گیا۔ اب اگر زور زبردستی سے ایوب خاں دو باڑا صدر بن بھی جاتے ہیں تو دنیا اس غلط فہمی میں بہر حال نہ رہے گی کہ وہ عوام کے نمائندے ہیں۔ ان کی آواز پاکستانی عوام کی آواز ہے۔ وہ اپنے ہی صدر بھجے جاتیں گے جس نے لاٹھی کے زور سے بھیں ٹھہریں باندھلی ہے ورنہ بھیں تو کسی اور ہی کی تھی!

رسول مخصوص پر افترا

ہم اگر سطر سطر کا تجزیہ کرتے رہیں گے تو یہ شمارہ کفایت نہ کر سکے گا اور بات ”باقی آئندہ“ پر جامے گی۔ کیا پتہ ہے

اخذ کرتا ہے۔ ہم گذشتہ الشور میں صفحہ ۱۷ پر بتا چکے ہیں کہ
حضور کا یہ فرمانا کہ:-

”وَهُوَ قَوْمٌ فَلَاحُ كُوئِينَ بِنْجِ سَكْتَيْ جِسْ نَسْ حُورَتْ كُو اپَا
حَامِكْ بِنَالِيَا۔ اِسَا ہَيْ ہُنَّ جِسْ بِنَهُنَّ كَوَهُ قَوْمٌ
فَلَاحُ كُوئِينَ بِنْجِ سَكْتَيْ جِسْ نَسْ اِپَا حَامِكْ كِسِيْ اِجْنِيْ دِيْ
كُو بِنَالِيَا۔“

کو یا جس طرح الحق کی حاکمیت کا بدایخاں ہونا ایک امر
قطعی ہونے کے باوجود ”وجی“ نہیں ہے بلکہ عقل و علم سے لیا
پو افضلہ ہے اسی طرح عورت کی حاکمیت کا بدایخاں ہونا امر
قطعی ہونے کے باوجود ”وجی“ نہیں ہے بلکہ عورت کی ضعیف
العقلی اور ایسی نفس و خانمی کے علم اور مطلبے پر اس کی بندیاد
ہے۔ جو شخص قطعیت کے ساتھ است ”وجی“ قرار دیتا ہے وہ
ایک ایسا بات کہتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔
اس کے علاوہ ہم بتا چکے ہیں کہ حدیث میں قولیت (حکم
بنانے) سے مراد ایسا ہی حاکم بنانا ہے جسدا دیور ممالک میں
معروف درز طرح تھا۔ یعنی ختم اکل اور امیر مطلق۔ لن تنا
لوالیٹ حتی تتفقوا ممما تختبون کی مثال بھی ہم دے چکے ہیں
کہ بت سے مراد کامل بھلائی ہے یہ نہیں کہ جو س لوگ یکسر کاف
ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ”حاکم“ سے مراد ایسا ہی حاکم ہے

جو سیاہ و سپید کا مالک ہونا کہ ایسا جس کے اختیارات قانون
کے ذریعہ نہایت حود کردیتے گئے ہوں۔ اسی لئے اما الکر
اور اما ابو حینیفہ جیسے انہے ان تمام امور میں عورت کی امت
کو حائز قرار دیتے ہیں جن میں عورت کی شہادت قبول ہے۔ اگر
ہر ڈگری اور ہر قسم کی امارت و سیادت اس حدیث سے عورت
کے لئے حرم میو جاتی تو ان انہوں کے ہاتھے میں کیا کہا جائے گا۔
وہ سارا مذاق مولانا نے حضورؐ کی ایک اور حدیث سے
کیا ہے۔ منھ میں کفت بھر کر کہتے ہیں:-

”ذہبی بے ضمیری کا یہ عالم ہے کہ جو لوگ مل نکل گئی
مگلی میں لوگوں کو پیغمبر کا یہ قول سناتے پھر ہے تھے کہ
عورت کی حکمیت میں جیسے سے زیر میں دن پہ جانا
بہتر ہے وہ ”مادر ملت“ کا جنہڑا اٹھاتے اور ان کا نعرو

قرآن نے بے شک کہا ہے کہ ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهُوَى
الْأَوْحَى“ دیجی۔ پھر سوائے نفس کے تحت کلام نہیں کہتا بلکہ
وجی بیان کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی تمام علماء خلف و مخالف
اچھی طرح جانتے اور مانتے ہیں کہ اس کلام سے مراد وہ کلام
ہے جسے پیغمبر آن کہہ کر پیش کیا تھا اس پا پھر وہ کلام ہے
جو اس کی زبان سے امور دینیہ یا معاویہ وغیرہ بارے میں
صادر ہوتا تھا۔ یہ نہیں کہ زندگی بھر جو فقط اس کے منہ کے
نکلا وہ وجی تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جنگ بدر میں حضورؐ
ایک مقام پر ڈیکھ لگانے کا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے
صحابہ پر پوچھتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ ارشاد وجی کے تحت ہے یا
اپنے طور پر؟ آپ جواب دیتے ہیں وجی نہیں۔ میں اپنا
خیال ظاہر کر رہا ہوں۔ صحابہؓ نہیں کہ بھر تو یہاں
کھرنا مناسب نہیں۔ اس میں یہ یہ نقہ بان ہے۔ حضورؐ
فوراً تسلیم فرمایتے ہیں اور بھر عرشیہ ہاں بنایا جاتا ہے جہاں
حرب و خوب کے فن سے واقعہ صحابہؓ کی رائے ہوتی ہے
تم دیکھتے ہو غزوہ احزاب میں حضورؐ ایک رائے
ظاہر فرماتے ہیں۔ اس پر صحابہؓ اس سے مختلف خیال کا انتہار
کرتے ہیں۔ حضورؐ صحابہؓ ہی کی رائے کے مطابق تھیمار سجا
لیتے ہیں اور اپنی رائے پر زور نہیں دیتے۔

یہ چند مثالیں ہیں اس بات کی کہ حضورؐ کے ہر قول کو
وجی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ نہ کسی صحابی، نابی، امام اور حوث
نے دیا۔ پھر یہ کسی خود رانی اور زبردستی ہے کہ مولانا
اصلاحی حضورؐ کے ایک ایسے ارشاد کو جس کا مبنی یہ وحی
ہونا کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں ہے نہایت قطعیت
اور روشن وحد کے ساتھ ”وجی“ قرار دے رہے ہیں۔ یہ
الشد اور رسولؐ دونوں پر افراتا ہے۔ نہایت نہیں کہ حضورؐ کا
ارشاد جس کی طرف مولانا کا اشارہ ہے غلط تھا۔ غلط نہیں وہ
سوئی صدی درست تھا لیکن ہر وہ بات جو غلط نہ ہو لازم
وجی نہیں کہلاتی۔ وحی تو اصطلاح میں ان الفاظ یا معانی
کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیج گئے ہوں۔ ان الفاظ
معانی کا نہیں جھیں انسان عقول و علم کے مقدمات کے ذریعہ

اسے چھوڑنے کے لیوب، خان کی ذات میں ملک کے استحکام
لاؤ خصوصاً انصیرت کی قدر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اسے بھی
چھوڑنے کے تصور میں کو "انارکی" کا نام دے کر بادشاہت اور
مطلق العطا فی کی کیسی خوشناجمایت کی جا رہی ہے تم مانے ہی
لیتے ہیں کہ صدر ایوب پاکستان کو ارادی اعتبار سے استحکام کیا اور آئے
کو وہ مزید استحکام دے سکتے ہیں لیکن اس اصول پر تو مظلوم سے
یطہ کو تعریف سے مستحق حکمران کم ہیں گے۔ اسلام کی ہمیزی
تعریف کرنی ہو گی کیونکہ ان طائفوں نے جو استحکام اپنے مالوں
کو بخشندا اس کا تصور نہ کس سوال بھی پاک ان نہیں کر سکتا۔
علاوه ازین عالمی قوانین کے خلاف قرآن و سنت ہوتے
پر تو ہولنا اصلاحی کو بھی اتفاق ہے۔ پھر وہ یہ تکلف کیوں فرماتے
ہیں کہ "دین کے سوا ایسا کی ہر جز قربان کی جا سکتی ہے۔" دین
کا استثناء کہاں رہا جب ملک کے خیلی استحکام کی خاطر ہولنا اس
حکمران کی بھی جمایت فرمائے ہیں جس نے تمام علماء کے اجماع
کے علی الرغم عالمی قوانین نافذ کئے اور جو ایسے فضلاء کو گرفتار
مشابہ دے دے رہا ہے جو کے باشے میں خود ہولنا ہی یہ فرازتے
ہیں کہ وہ دین کو تحریف کی سان پر جڑھا رہے ہیں۔ جو کے ایک
فضلوں یہاں بھی ہولنا کی تحقیق زیرکیمیں ہی ہے اور جو کے باشے
میں ہولنا اظہار بیزاری ایک چہ اور پہلے کے "یثاقوں" میں
ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ یہ سب اگر دین قربان کرنے کے زمرے
میں نہیں آتا تو پھر شاید ہولنا نے دین کو چار پیروں والا بکر القبور
کر رکھا ہے جسے ایوب خان کسی شاہراہ عالم پر ہی چھری سے
ذبح کریں تب ہی وہ مانیں گے کہ دین قربان ہوا۔ دین کے
خلاف قوانین بنانا اور غلط خدا کے جائز حقوق ہارنا ہولنا کے
ضمیر پر ہار نہیں۔ پھر کیوں وہ صفات ہی نہ کہدیں کہ ایوب خان
کے نظائر اصدارت اور ملک کے مفروضہ استحکام کی خاطر ہم دین
کو بھی قربان کرنا منتظر کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے دین قربان
کرنے کا مطلب ہولنا صرف یہ سمجھتے ہیں کہ آذان و منازدہ
کر دی جائے۔ میں یہ دھادی جائیں۔ قرآن کو منوع قرار
دیدیا جائے۔ بقول اقبال:-

ملک کو جو ہے ہند میں سمجھی احقر ناد سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

لگاتے ہو رہے ہیں۔" نہیں بھی باضمیری کے سلسلے میں تو الہی ہم دھکلتے ہیں کہ خود
مولانا کا ضمیر میں عالم میں ہے۔ پہلے یہ میں لمحے کی یہی ضمیر پر
چھوٹ ہی گھٹا گیا ہے۔ ضمیر نے کبھی یہ نہیں فرمایا جسکی نسبت
ان کی طرف کی جا رہی ہے۔ ان کے اس ارشاد میں جس کی آخر
مولانا لے رہے ہیں سماںی امارت و امامت کا تذکرہ نہیں۔
وہ تو زدن ہر بڑی کی اس ھلکیا ذہنیت سے متعلق ہے جس خبر سے
رسبے زیادہ فرع مغرب زدہ مردوں ہی کی حکومت میں ہوا کرتا
ہے اور ہور ہے۔ پورا ذخیرہ حدیث موجود ہے۔ اگر کوئی شخص
یہ دھکلاتے کہ ضمیر نے وہ بات فرمائی ہے جس کا انتساب ہولنا
سے ان کی طرف کیا ہے تو ہم سو سلام کرنے کو تیار ہیں۔ دروغ
اور ایسا بے فروغ۔ پناہ بخوا۔

قرآن کے باشے میں حرأت کا عالم یہ ہے کہ فرمایا
جاتا ہے:-

"قرآن اس باشے میں خاموش ہے لیکن قریبے سے یہی
معلوم ہتا ہے کہ حضرت ملیمان نے ان کو (ملکہ سبا کو)
اپنے حرم میں داخل کر لیا۔"

گوئی اس خیال کا درست ہوں نفس بخش پر کوئی اثر
نہیں ڈالتا لیکن سوال یہ ہے کہ قریبے کو اس اور کہاں ہے۔ یا تو
واضخ کرنا چاہئے کہ قرآن کی فلاں آیت یہ قریبے رکھتی ہے یا
پھر اعتراف کرنا چاہئے کہ ہمارا ہر خیال قرآن کے باب میں
قریبے کا درجہ رکھتا ہے۔ مثلاً خیالات کو بلا دلیل قرآن سے
جوڑنا اہل حق کا طریقہ نہیں ہے۔

اب موسلمان کی باضمیری کا پیچہ پڑ دیکھے۔ نہایت جوش سے
فرمایا گیا:-

ملک کا استحکام ایک الہی چیز ہے جس کے لئے یار لیماں
نظم تدرکنار دین کے سواد بنا کی ہر چیز قربان کی جگہ کا ہے۔
یہ اس مفروضے کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ فاطمہ جناح حیث
گھنیں تو ملک میں انارکی آجائے گی۔ موجودہ صدارتی نظام چوں تک
ملک کے استحکام کا ضامن ہے اس لئے وہ یار لیماںی نظام ہرگز
نہیں آنا چاہیے جو فاطمہ جناح کی فتح پر آدم حملے کا۔

کبھی ال انہیں جو صدارتی منتقل ہے میں کوئی جی دار ایوب خان کو لکھا سکتے۔ پر اسے بہت ھرگز ابھی ہو تو منہ کے بل گر بھا اور پوری دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ پستول کی نالی پر حکومت تی مندر حاصل کرنے والا فیلڈ مارشل عوامی لیڈر بھی ہے جو پوری حکمران بھی ہے۔

لیکن جو بلمم خواب طے ہوا اور خوش فہموں کو بالکل توقع کے خلاف مناظر نظر آئے تو اب دنائی دی جا رہی ہے کہ تم ہمارے تو ملک ڈبایا۔ حرفی جیتا تو انار کی آئی تیقین کیجئے۔ اگر جرب اقتدار کو تصمور بھی ہوتا کہ عوام ایوبی آمریت سے اس درجہ سے بیزار و برمجم ملٹھے ہیں تو انتخاب کا یہ کھلی ہرگز نہ کھیلا جاتا۔ کھیل اس لئے گیا کہ حین خیال کی عینک آنکھوں پر جڑھی تھی اور تیقین کو لیا گیا تھا کہ پاکستانی عوام بالکل سادہ لوح ہیں جو اتنا بھی نہیں جانتے کہ آمریت کو "صدرارت" کا نام دیتے ہیں سے کوئی آمریکی جیسا صدر نہیں بن جاتا۔ مولانا اصلاحی خود ہی یہ کہہ کر خوش ہولیں کہ:-

"اس وقت ہمارے صادرین میں جو جگہت، اس میں اصل مشعل پاریا جانی نظام اور صدارتی نظام کا ہے۔"

مگر جنگ در تحقیقت جمہوری اور بادشاہی تصویرات میں ہے۔ امریکی کے صدارتی نظام کا نام لینے والوں کو دو چار مرتبہ منہد ہو لینا چاہیے۔ جس قسم کے آرڈیننس پاکستانی گروہ اقتدار نے تا بڑھ توڑ جاری کئے ہیں ایسا ایک بھی آرڈیننس امریکی کے صدارتی نظام کی پوری تاریخ میں نہیں دھکایا جا سکتا۔ "آمریت" کو امریکی کے نظام سے تعبیر کرتے ہوئے عوام کو اصطلاحوں کے ھم لوگونے نہیں چاہیں عمل چاہیے واقعات چاہیں۔ عملاً کلکٹر بن جانے والا شخص لگے میں چاہیے تختیں لکھ کر ہم کیوں نہ لٹکائے کہیں امریکی کا صدر" ہوں لیکن جن عوام کو ان کی ماوں نے آزاد جنلی ہے وہ غلامی اور آزادی کے فرق کو جھوسوں کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ ایک ایسے دستور کو نہیں سراہ سکتے جسے ایک فیلڈ مارشل نے خود رانی کے ساتھ خط تقدیر بنادیا ہوا اور اس پر تقدیر جرم قرار پاتے۔

اگر یہ بات ہے تو یہ تنگ ایوب خان کی حیات میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر یہ بات نہیں ہے تو بتایا جائے کہ عالمی قوانین کے خلاف دین ہونے سے اتفاق برکھنے کے باوجود مولانا یکس طرح دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ایوب خان کی حیات اور تائید کا مطلب دین کی قربانی کو ادا کرنا نہیں ہے۔

جمہوریت اور انوار کی

یہ بات ایک سے زیادہ بار مولانا نے دھراتی ہے کہ فاطمہ جناح کی فتح جمہوریت کا نہیں انار کی کی فتح ہے۔ انار کی کسی بھی ملک کے لئے تباہی کا پیش شتمہ ہے لہذا ایوب خان کو اذماجتنا ہی چاہیے۔

خیر سے ہی بات ایوب خان اور بعض وزراء صاحبان باس الفاظ فرماتے رہے ہیں کہ:-

"اگر فاطمہ جناح جیت گئیں تو ملکت سا ہو جاتے گا۔"

ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں کہ جس دلیل سے مولانا اور پاکستانی اہل اقتدار جمہوریت اور انار کی کو لازم و ملزم تھا ہے ہیں اس کا وزن کیا ہے۔ صرف اتنا سوال کرتے ہیں کہ اگر ایوب خان کا صدر بنارہنا ناگزیر اور قطعی طور پر ملک کی سالیت کے بقدر استحکام کے لئے ضروری تھا تو یہ موقع آخر کس نے دیا کہ عوام ایوب خان کو صدر باتی رکھنے ترکھنے کا فیصلہ فرمایا ہے؟ انتخابات تو ایوب خان ہی نے کرتے ہیں۔ انتخابات کا مطلب یہی تو ہوتا ہے کہ عوام جسے چاہئے چُن لیں۔ اگر ایوب خان اور ان کے حارین ایمانداری کے ساتھیہ سمجھتے تھے کہ کسی اور کاچن لیا جانا ملک کو تباہ کر دے گا تو انتخاب کل دوازہ کھولنا گویا دیدہ و داشتہ ملک کی تباہی کا دروازہ کھولنا تھا پھر کیوں ایسا کیا گیا؟

ہم جواب دیتے ہیں کہ کپیں ایسا گیا۔ اس لئے کیا گیا کہ ارباب اقتدار احقوقوں کی جنت میں بس رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ پروپرٹیزے کے زور سے ہم نے داعشہ ایوب خان کی عقیدت عوام کے دلوں میں آزادی ہے اور عقیدت کے علاوہ ہماری قوت کا رعب اتنا زیادہ ہے

حضرت سليمان اور رام شاہ مرث

لاشخوری طور پر اسی طرز کے آئینے پر ایمپریٹر اپنے زمانوں میں خدا ہی کی طرف سے آمر دنایہ بناتے جاتے ہیں۔ کیا قرآن نے بار بار حضور مکر کی اطاعت کا حکم نہیں دیا۔ اب اگر ہم غیر نبی کے لئے بھی امر و نبی کا ایسا ہی حق تسلیم کریں تو ہمارا ٹھکانہ پا گل خانے کے سوا کہاں ہو گا۔

علاوہ اس کے حضرت سليمان نے چاہے اصطلاحاً جمہوریت کا قیام نہ فرمایا ہو لیکن یہ ثابت نہیں ہے کہ عوام ان کی حکمرانی اور آئین سے خفہ ہوں۔ اس کے برخلاف صاحائف قدیمہ بھی اور خود قرآن بھی یہ تصویر دیتا ہے کہ ان کی رعایا اپنے بادشاہ اور دستور و آئین سے بے حد خوش تھی۔ جب خوش تھی تو جمہوریت معناً اسی کا نام ہے۔ آج کی کسی شخصوں اصطلاح کی آڑ لینا اور انگریزی طرز کے پارلیمانی نظام کا شو شہ کھڑا کرنا ان مناظرہ باز بد عقیلوں کی سی حکمت ہے جنہیں بدعات پر نکیر کی جائے تو وہ شور جانے لگتے ہیں کہ پھر تو ریل میں بیٹھنا بھی بدعست ہے۔ لا و دا سیکر پرو ڈھنڈ کر نابھی بدعست ہے۔ سائیکل پر سوار ہونا بھی بدعست ہے غیر ذلک اصول و کلیات اور تصویرات و نظریات اپنی بخوبی کیلئے ہر زمانے میں نبی ایتی شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ بعد یہ اصطلاحیں بقی رہتی ہیں اور وسائل و ذرائع میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ فرعون و نمرود اور چیلزنگہ و ہلاکو نے ہٹکر اور اسالان جیسا کوئی دستور و آئین وضع نہیں کیا تھا۔ ہر مستبد اور قاesar بادشاہ کی اپنی ایسی اصطلاحیں تھیں۔ طرز حکومت تھا۔ قوائیں تھے۔ لیکن اس سے ظلم و استبداد کی حقیقت نہیں بدی۔ اسی طرح عادل حکمرانوں کے قوانین اور ہمطاہ جوں میں کیا نیفت نہیں ڈھونڈی جا سکتی مگر عدل کی حقیقت اس ظاہری فرق سے نہیں بدی۔ ٹھیک ایسا ہی معاملہ انہوں نے کیا ہے جن پر گفتگو ہو رہی ہے۔ دیکھنا یہ نہیں کہ حضرت سليمان یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آئین کا ڈھانچا کیا بنا یا تھا۔ اصطلاحیں کیا استعمال فرمائی تھیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمامة النساء کی غالب اکثریت ان اقدار سے بیزار تھی یا خوش۔ وہ ڈنڈے کے زور سے حکومت کر رہے تھے یا خوم کے قلوب کی دھوکنیوں سے ان کا اقدار ہم آہنگ تھا۔ اگر ہمیں صورت ہو تو بشیک ان پر نہستہ نہ استبداد کا الزام اٹھایا جاسکتا ہے لیکن دوسری صورت

ملکہ سبا کے قرآنی و اتعات پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا نے ان تمام حضرات کو ”بولفپولو“ کہا ہے جنہوں نے عورت کی امارت کے سلسلے میں ان سے کوئی استشہاد کیا۔ خیر سے ان بولفپولوں میں حکیم الامر مولانا اشرف علی ”بھی آجاتے ہیں۔ کوئی حصہ نہ لئتے نہیں۔ جب مولانا اصلاحی کے انداز فکر سے اپنے حصہ اور امام مالک بھی حرام کو حلال بنانے والے پھیرتے تو حکیم الامر کا کیا ذکر۔ تاہم ایک ظاہر فریبت کا جواب ہم ضرور دیں گے۔ فرمایا گالکہ:-

”اگر ملکہ سبا کی بادشاہت میں فاطمہ جناح کی صدارت کے لئے دلیل بن سکتی ہے تو کیا حضرت سليمان کی بادشاہت پاکستان میں جمہوریت کے بجائے بادشاہت کے قیام کے لئے دلیل نہیں بن سکتی؟ کیا حضرت سليمان نے اپنے ملک میں کوئی جمہوریت قائم فرمائی تھی یا انگریزی طرز کا پارلیمانی نظام قائم کیا تھا۔ اگر صدر ایوب اس دلیل سے فائدہ اٹھا کر اپنی بادشاہی کا حق جتنا مشروع کر دیں تو ان فقیہوں کے پاس ہے اس کا کوئی جواب ہے؟“

ملکہ سبا کی تشنیل تو فاطمہ جناح کے سلسلے میں صرف اس لئے کام آئی کہ یہ ملکہ پر غیر نہیں تھی۔ ایک ایسی ہی عالم عورت تھی جسیسی میں جل جل ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت سليمان تو پیغمبر تھے۔ ماوراء من الثر تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے فوق البشر قوتوں سے فواز اتھا۔ خصوصی صفاتی میں عطا کی تھیں۔ انھیں نظیرین کو کسی غیر نبی کی بادشاہت کو محروم و طیب قرار دیدیں۔ حالانکہ بادشاہت کی نہادت میں احادیث صحریج موجود ہیں۔ ایسا ہی ہے جیسا طلوعِ اسلام کے پرویز صہابہ حب اللہ اور رسولؐ کا مطلب مرکز ملت اور اقتدار وقت بیان فرمائے روحی کرتے ہیں کہ جس طرح رسول اللہ کے کوئی میں رسول کی اطاعت بھیت مرکز ملت فرض تھی اسی طرح بعد ہر ہزار نے میں ”مرکز ملت“ کی اطاعت فرض ہے۔ آج مولانا اصلاحی بھی

پڑتو اس الزام کی کوئی مانگنا شکر نہیں۔

بہوں -

و سر بیا گیا :-

ایک مفتی کا یہ فتویٰ پیش کیا جا رہا ہے کہ عورت کی صادرات اگر ہم آثار قیامت میں سے ہے لیکن اس صورت میں اس کا امیر بنانا جائز ہے جب کہ اسلامیہ بنانے میں دین کا فائدہ لیفٹی ہو اور وہ پردے میں ہے کوئی ان اللہ کے بندوں سے پوچھے کہ عوام کو ان فتویٰ سے الجھن میں ڈال کر آخرت کی کوئی سماں کر رہے ہو۔ تم اقامت دین کے دعے سے اُسطہ تھے یا تو قوم پر آثار قیامت مسلط کرنے کے ارادے سے؟ رسولؐ کی حدیث اور تھائے امن مفتی کے قتوے کی رو سے اس فاطمہ خاجہ کی صدارت کا آثار قیامت میں ہونا لزیقی ہو گیا۔ اب یہ ثابت کر کہ ان کی صدارت میں دین کا لفظ قیاسی ہے۔ جل لفظی نہیں دین کے لفظ کا ہوتی در قریب امکان ہی ثابت کر دو۔ چلو یہی نہ ہی فرماؤ کہ اس فاطمہ خاجہ پر وہ کرتی ہیں جیسا کہ ۲۷ سال کی نزدیکی میں بھی انہوں نے پر وہ کیا ہے؟ یہ بھی چھوڑو۔ یہ بنا اور وہ پردے کی قائل بھی ہیں جیسا کہ ان کی صدارت سے یہ موقع رکھتے ہو کہ ملک میں پہ جایا دیے پر دیگی کی حملہ ہو گی؟ چلو یہ سب چھوڑو، ایمانداری سے بناؤ کہ اس فاطمہ خاجہ عائی قوانین کے حق میں ہیں یا اس کے خلاف؟ یہی ایک یقین مدتہ اسلام کے ناؤ سے تو نکاتی پر وکر امین عوام کو بے دوقوف بنانے کے لئے شامل کی گئی ہے لیکن اس کا بھی یہ حال ہے کہ متحده محاذ کا پورا اکتبہ، اور مدتہ بیعت اس کو اپنے پر وہ گھر سے خارج کر کا جو تہذیب ہے۔ پھر دین کی وہ کوئی حیز ہے جس کے قائم کر کیجیے امید پر اسلامیوں کو پر وہ شامت مسلط کر لیں جس کو دو ٹوں سے اپنے پر وہ شامت مسلط کر لیں جس کو ان کے بغیر نے آثار قیامت میں سے گناہیے؟ اب ایک ایک بات کا چرا بستے:-

پھر سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ حاکم کی حکمرانی کا فکری سرحد برقرار رہنے پر مردجم کیا ہے۔ الگ وہ کامنا کے اصل حاکم و آمر اللہ جل شانہ کی بہایات کو اپنام کر کر مرجع بناتا ہے تو اس سے بڑھ کر تما مید و حمایت کا سختی کوئی حکمران نہیں چلے ہے نا اس کا آپ بادشاہ رکھ لیں یا صدر یا کچھ اور، لیکن الگ وہ کرنسی و مرجع صرف اپنا نفس ہے یا کوئی اور باطل ازم یا خود ساختہ دین یا من گھرست فلسفہ تو خدا کے بندوں کو حق ہو گا کہ اسے صندوق اقتدار سے ٹھاکری کریں کریں اور میٹا نہ سکیں تو کم سے کم ایسا آئینہ ہزارانے کی جد و جہاد ضرور کریں جو انسان کے جائز حقوق کا خدا من ہو۔ حضرت سیلانؐ اور حضرت محمدؐ سلیلی قسم کے حکمرانوں میں سے تھے اور الیب خاں دہمہ نوئے کے سلطانوں میں ہیں۔ ان کا منع فکرِ مغربی اسلام ہے۔ مادیت ہے اور اپنی صداری قائم رکھنے کی خاطر وہ ہر طرح کاظم و ہبڑا پیدا نشی خلیجتھے ہیں۔ ان کو ہٹا کر ایک ایسا نظام حکمرت قائم کر نکلی جدو جب کہ کتنا جو انسان۔ کے جائز حقوق کا خدا من ہو یا انتہی بیوگی کا خرض ہے اور ایسے ہی نظام میں خدا پرستوں کیلئے اقسام تباہی کی راہ ہو اور کرنے کے متعلق فراہم ہو سکتے ہیں۔

مولانا اسلامی فرط غصب میں شائستی کی کس سطح پر تشریف لے آئے ہیں ان کا اندازہ اس ایک فقرے سے بچتے چڑھوں نے مولانا مودودی کو جاہل اور بد دماغ کہنے کے بعد ارشاد کیا ہے:-

جماعت اسلامی کے امیر صاحب سے زیادہ تقدیر حضرت

سیلان کے ہر ہد کو ہی معلوم تھی۔

ہر سکتا ہے برو دست ہی ہے۔ ہر ہد اخراج کیتے بغیر کے درو میاڑ کا ہد بہ نہ تھا۔ مولانا مودودی یا جعلے در نظم انسان ہیں کوئی عرج نہیں الگ ان کا نہ فخر ہد بہ سے پیچھوہ کیا ہو لیکن خدا کا شکر ہے کہ کسی اسلام دشمن اور فاسق و فاجر اقتدار کی تائی و حمایت کر کے وہ اُس سب سی تک تو نہیں پہنچ جسے لئے اور خشنزیر بھی اپنے لئے باعث نگ خیال کرتے

کا قائل ہی نہ ہونا ایک ایسا ہی ذاتی اور غیر ماسی فعل ہے جیسا ایوب خان کا دار طھی مونڈنا اور وقتاً فوتاً دار طھی کا مکملہ اڑانا۔ ان آنکھوں والوں کو مس جناح کی بے پر دگی بڑی شاق گزرو رہی ہے لیکن ایوب خان کے باشے میں شایدیہ تادیل کرنی گئی ہے کہ ابھی ان کے دار طھی کلی ہیں! ہم عظیم ترا جنمائی اور دستوری انقلاب کی بحث میں دار طھی کا تذکرہ مضموناً تصور کرتے ہیں لیکن حب مولانا اصلاحی جیسے اپنی متنات میں مسلسلہ کی اہمیت کم کرنے اور عامۃ الناس کو بہکانے کی خاطر پردہ "جیسی جزتیات پر اتر آئیں تو ہمیں بھی دار طھی کے تذکرے پر معنا و معہضہ چاہتے۔ اپنے نظر الفضای فرمائیں کہ مولانا اصلاحی اُن لوگوں میں نہیں ہیں جو دار طھی مونڈنے کو حلال سمجھتے ہوں۔ وہ اسے حق و معصیت ہی سمجھتے اور رکھتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مس جناح کا فتنے پر دگی تو ایکیں اس قدر گھل رہا ہے کہ اس سے ڈر اکوہ خندوق خدا کو مستبد امریت پر راضی رکھنے کی معی بلیغ فرمائے ہیں لیکن ایوب خان کا ضمن ایکیں ذرا نہیں ہٹکتا حسالانکہ شریعت اسلامیہ اور حقیقی انسانی کے سلسلے میں ایوبی حکومت کا فسطیلی رویہ اس فتنے کو سہ آتش سما جھکا ہے۔

لیکو غور کرو۔ ایک مطلق العنان چکران کا کار اور ذاتی خیالات و میلانات تو اقتعدہ رعایا میں اثر و نفوذ کرتے ہیں کیونکہ وہ جبر و ظلم کے تماہیز یہ لوگوں کو اپنے رنگیں رنگنے کی خاطر استعمال کر دالتا ہے اور رعایا خود بھی اسی میں فائزہ دیکھتی ہے کہ اُس حاکم کو زیادہ سے زیادہ خوش یہ کھجور کے دست اخیار میں اس کے سیاہ و سپید گی باگ ڈو رہے۔ لیکن ایک جمہوری حکومت کے صدور کا ذاتی گردار اور عفان و درجانتا یہ درجہ اور اتر نہیں رکھتے۔ کیونکہ جمہوری نظام میں صدور کو وہ خوفناک مرکزی حیثیت اور فیصلہ کرنے کی قوت و قدرت حاصل نہیں ہوتی جو خوف اور طمع دونوں کا سرخی پر ہے۔ زندہ مثال تمہارے سامنے ہے۔ ہندوستان کے موجودہ صدر شدت سے آفیقت کے قائل ہیں۔ وہ بار بار۔ اپنے ملک میں بھی اور باہر بھی کہے جا رہے ہیں کہ نیشنل ازم اور

قیامت برحق ہے اور اس کے جو بھی آثار اسلامی مقدور کئے ہیں وہ بھی برحق ہیں۔ کیا مولانا اصلاحی کو نہیں معلوم کہ ایک آخری بنی کالم ہمہ بھی قیامت ہی کے آثار میں شامل بھی گیا ہے۔ اور کیا وہ نہیں جانتے کہ ضمور کا ایک تام "التبی الساعۃ" بھی ہے۔ یعنی قیامت کا پیغمبر۔ اور کیا انہیں علم نہیں کہ ایک ایسا اور بھی قیامت کے قوبی آثار میں جو بار امامت حس کے نو اور عدل و صداقت کے غلبے سے ہمہ ہر جا ہے گا۔ کیا ہمہ بھی بھی آثار قیامت میں سے نہیں؟۔ پھر آخری اہل فرقی نہیں تو کیا ہے کہ مس فاطمہ جناح کی صدارت کے متحمل آثار قیامت ہو نیکا تذکرہ اس انداز میں کیا جا رہا ہے جیسے ہر وہ شے قبل نفرت و ملامت ہے جو آثار قیامت میں داخل ہو! اور یہ بالکل بھولا دیا گیا ہے کہ اپنے اسلام کے سروں پر فساق و مجرمان کا سلطنت ہونا بھی آثار قیامت ہی میں ہے اور یہ بھی قیامت ہی کی آمد آمد کا اعلان ہے کہ علماء اُن ظالموں کی تعریف اور حسابت کریں جو علی الاعلان دین میں تحریف اور فوکس و منکرات کی پشت پناہی کر رہے ہوں۔ جنہوں نے خلوق خدا کے جائز حقوق پر دہارے ڈال کر بارا ہو۔

مس جناح کی صدارت میں دیسی افادیت کا پہلو کیا ہے یہ ہم گذشتہ ماہ عرض کر چکے۔ اب پھر عرض کرتے ہیں کہ اہمیت مس جناح کی ذات کی نہیں اُس نظام کی ہے جو ان کے سہماۓ و چوپانیہ پر ہونا چکنے ہے۔ احمد۔ یا پھر شیطان زدہ لوگ خلقت خدا کو عورت او مرد کی بحث اظہارِ حمل مسئلے سے بے تو جو کرو دینا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ یکسر غیر احمد اور الیعنی بحث میں پھنس کر پھر ایک بار آمریت کو سر پر سلطنت ہو جانے کا سهل موقع ہم نہ تھا۔ اس جناح پر دہ نہیں کریں۔ یا پر دے کی قائل ہی نہیں ہیں۔ اس طرح کے شوسمیں کمال اٹھک ان کم سو ادمیوں بازوں کی پیروی ہے جو صحن نکتہ بحث کی غدر و بود کرنے کے لئے اصردادھر کی باتیں کرتے اور عامۃ الناس کے جنیبات سے کھیلتے ہیں۔ جو چلتے ہوئے فقرنوں سے کام کمال لے جانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مس جناح کا پر دہ نہ کرنا یا پر دے

قوم پرستی فاسد و کا سذ نظریات ہیں صحیح تر نظریہ ہے انسانیت پرستی دعا ملکیر پرادری۔ آناتی بھائی چارہ۔

لیکن کیا ان کے اس عقیدہ مسلم کا شمرہ بر ابراثر رعایا پر بھی پڑا ہے۔ کیا اہل ہند کی قوم پرستا نشان نظری کے کاون پر جوں بھی ریتلی ہے۔ یا آئے کو رینگے کی توقع ہے؟ بالکل نہیں۔ صدر محترم زندگی بھر زور لگاتے رہیں وہ بال بر ابر تبدیلی بھی جمپور کی ذہنیت میں نہ لاسکیں گے۔ مگر وہ دلکشی پڑتے، خدا کل ہوتے تو پھر لازماً جمپور کو کسی نہ کسی حد تک اپنے رنگ میں ضرور نک لیتے کیونکہ امریت فقط تقریر اور نہتائی کی حدروں پر نہیں رکا گرتی وہ تو اپنے جملہ وسائل اور اختیار و اقتدار کے ذریعہ ایسا جوں بناتی ہے جس میں اس کی مضیات پھلے پھولیں۔ اس کے عقائد و خیالات بگڑ باطل ایں۔

اس اجتماعی نفیات کی روشنی میں دیکھو تو صاف نظر آئے گا کہ مولانا اصلاحی اور ان جیسے دوسروں ایوب خانی الگ دین و اخلاق کی قدروں اور نبڑگان خدا کے جائز حقوق کے باسے میں مخلص ہوتے تو انھیں ایوب خان کے عملی اور ذہنی فتن و زندقہ پر زیادہ تشویش ہوتی کیونکہ اس فتن و زندقہ کامعاشرے پر اثر انداز ہونا تو قدرتی اور یقینی امر ہے۔ اور یہ ہو جی رہا ہے۔ اس کے مقابلہ میں جناح کے سقینے بنی پردگی پر اتحنی تشوش ہرگز نہ ہوتی کیونکہ وہ جس جمپوریت کا حکم لیکر ہیں اس میں صدر کے کسی عقیدے یا عمل کا ایسا دورس اور اگر اثر یقینی تو کیا اغلب بھی نہیں ہے۔

لیکن خلوص کو تو ڈس لیا مولانا مودودی کے عنادنے احسان مکتری نے۔ وہ احسان مکتری جس مولانا اصلاحی کے لفظ لفظ میں انسانیت اور زعم و خوت کی شعلہ ریز زبان بن کر دیک رہا ہے۔

اجساروں میں یہ اطلاع آجکی ہے کہ مس جناح نے منتہ یہ اعلان کیا ہے کہ پاکستان میں کوئی غیر اسلامی قانون نہ باقی رہے گا، بلکہ معین طور پر عالمی قوانین کی غیر اسلامی دعفات

کو ختم کرنے کا بھی وعدہ کیا ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ وہ نہ بھی وعدہ کر س بلکہ چاہیے اس اور اس حصے دیکھ غیر اسلامی قوانین کو باقی رکھنا ہی انکی دلی مرضی ہے لیکن کیا مولانا اصلاحی نہیں جانتے کہ جمپوری نظم میں تہذا صدر کی کوئی خواہش ایسی قیصری کی نہیں ہے اکرمی میں موجودہ استبدادی نظام میں ایوب خان کی ہے۔ قوت جس پارٹی کو فیض بھوگی نظریات ایسی کے پھلے پھولیں گے۔ اور نہ بھی پھلے پھولیں تو مراجحت شدیدہ کا موقع اسے بہر حال خال رہے گا جب کہ ایوبی اقتدار میں مراجحت خفیف پر بھی کاٹے آرڈیننس نافذ ہو جاتے ہیں۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ عالمی قوانین کو منسوخ کرنے کی دفعہ س جناح کے عالمیوں نے باقاعدہ نہ نکالی پر و گرام میں بھی شامل کی ہے لیکن مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ یہ تھن عوام کو بے وقوف بنانے کیلئے ہے۔ اب فرمائیے اس سو و نص کا ہے کوئی علاج؟

سوال یہ ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب کشف کب سے ہو گئے جو وہ نہایت وثوق کے ساتھ حزبخالف کی پانچوں جانعتوں پر بدلتی کا الزام لگا رہے ہیں۔ پس تو ہر اچھی بات کو رد کرنا بہت آسان ہے۔ آخر کیسے معلوم ہو اکہ اس نکتے کو نہ نکال پر و گرام میں شامل عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔

نیت عالمی قوانین کو ختم کرنے کی نہیں ہے۔

پھر ان لوشاں کرنے والے بدنیت ہی تھے مگر کیا مولانا اصلاحی یہ سمجھتے ہیں کہ مس جناح کی کامیابی کی صورت میں یہ بنتی چلنے والی ہے۔ کیا عوام ٹھنڈے پیٹیں برداشت کر لیں گے کہ انھیں بیو تو قوت بنائے رکھا جائے۔ نامکن۔ میکر محال۔ شامل کرنے والوں کی نیت خواہ کچھ بھی رہی ہو جن میدار عوام کی جرأت ایک مسلح فیلڈ مارشل کے ایوان حکومت کو لرزہ براند آ کر سکتی ہے وہ مشکرا محاڑ کو بھی لازماً جمپور کر اسکتے ہیں کہ اپنا وعدہ پورا کرے۔ علاوہ ازین تحدہ جمپوری محاذ کی صرف سے قوی اور مشتمل ارتقی توجیعات اسلامی ہے۔ وہ تو عالمی قوانین کی شیدائی نہیں ہے۔ اس کی موجودگی میں یہ کیسے

ہندا وہ اس کا کوئی غم اور احساس نہیں رکھتے کہ اب نامے وطن آزاد ہیں یا غلام۔ اسلام غالباً یا مغلوب۔ مشریعیت معزز ہے یا مقویٰ و جروح۔ انھیں کوئی پروانہ نہیں کہ اقتدار وقت کمال ازم کی نشوونما دے رہا ہے یا ناصرازم کو۔ انھیں کوئی تشویش نہیں کہ ملکی استحکام اور مقادیر عالم کے مجہم اور مخالف اگیز نعروں کی آڑ میں غل خدا پر کیسے کیسے آڑینس نافذ کئے جائیں ہیں۔ انھیں اس سے بھی کوئی بحث نہیں۔ مال سے بھکھنے کی صلاحیت ہی نہیں کہ ترقی اور استحکام کا جو پروپرٹی کیا گیا ہے شرعی نقطہ نظر سے اس کے سودو زیان کا حقیقی میراث کیا ہے۔ انھیں تو فقط و اصطہبے مولانا مودودی کی تزویہ تحقیر ہے۔ جماعت اسلامی کی تحقیک اور تخطی سے جن طرح ایک ذہین چور اپنی ساری ذہانت چوری کی اسکیوں میں کھیادیتا ہے اسی طرح مولانا اپنی ساری خداداد ذہانت اور علمیت مولانا مودودی کو زک دیتے پر جھوٹ نکلے دے رہے ہیں۔ اب یہاں کی تقدیر ہے کہ:-

دشمن اگر قوی امرت نگہاں قومی تربت
جسے اللہ عزت دے اسے نون ذلیل کر سکتا ہے اور
جسے سید بننا گیا اس کے حصے میں شفاقت کون لکھ سکتا ہے

جمهوریت اور نظام اسلامی

ٹپے زہر میں انداز میں کہا گیا:-

یہ حضرات جمہوریت جمہوریت کا وظیفہ بھی اب بہت پڑھتے ہیں اور اس کا عشق بھی ختم ان چیزوں کے ہے جن کے سبب یہیں فاطمہ جناح کی حمایت پر جمود ہوتے۔

ان حضرات کی جمہوریت کی تابعیت ہے کہ پہلے یہ جمہوریت کو شیفتہ تحریر دیتے تھے۔ ان کا نقطہ نظر یہاںکہ اسلام کا اپنا ایک مستقل نظام سیاسی ہے جو ملکیت، امریت اور جمہوریت سب سے الگ ہے۔

جمہوریت حاکیت عوام کے نقطہ پریتی ہوتی ہے اس وجہ سے اس کو پیش ک فرادریتے تھے۔ اس فکر کا

مکن ہے کہ اس جماعت کا میا ب ہوں تو نو تھاتی پر وکر اگر کی بی شق پس پشت ڈال دی جائے اور بذینت شرکا میں مانی کر سکیں۔ مولانا اصلاحی آنکھیں بن کر کے روپے پر ردہ رکھتے چلے گئے ہیں اور در را نہیں سوچا کہ مٹ کر دیکھ تو لیں عقل و عدل کی قدر وہ پر کیا لگ رکھی۔ ایک اور نکتہ قابل لحاظ ہے۔ خیال یہ گذرتا ہے کہ مولانا اصلاحی طبعاً ان لوگوں میں ہیں جنھیں عنلامی اور آزادی کے فرق کا کوئی جاندار احساس نہیں ہے۔ وہ انسانوں کے اُس انبوہ میں شامل نظر آتے ہیں جو اگر خود میش و حرث میں ہو تو اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ دوسروں پر کیا بہت ہی ہے۔ جو نفس غلامی سے کوئی نفرت نہیں رکھتے بلکہ اسی کا آزادی کا مل سمجھتے ہیں کہ فقط انھیں جن مشاغل سے رکھی ہے ان پر کسی قسم کی پابندی نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ ان کا پورا مضمون ایوں اقتدار کو ایسی سلامیاں دیتا نظر آتا ہے جیسے اس اقتدار کے گناہوں امرانہ اقدامات اور طکٹیٹر انہ کردار کا انھیں احساس ہی نہ ہو اور اس جماعت کی صدارت کو وہ "شامت" کہتے ہیں گویا ایک فاسق معلم مرد کی غلامی تہرید سے قبول مگر ایک ماں ہی سی عورت کے حد تھے میں میں ہی کی آزادی فقط اس لئے رکلاں سے قیامت کا قریب آجانا یقینی ہو جاتا ہے۔ داریغا! قیامت سے اتنا خوف آخر کیوں؟ قیامت تو آئی ہی ہے۔ مرغ آذان نہ نے تو کیا سحر نہ ہوگی؟ مس جماعت صدر رہنیں تو کیا قیامت اپنے وقت مقدمہ وہ ہر طبقے کی۔ آخر کیا سیفیہانہ انداز فکر ہے کہ چونکہ عورت کی سربراہی قیامت کے آثار میں ہے۔ لہذا بن رگان خدا کو ایک ظالم مرد کی غلامی کا طوق گلوں میں ڈالے رہنا چاہئے اور عورت کی قیامت میں آزادی کا سانس ہرگز نہیں لینا چاہئے۔ کیا ان فکر سے روزگار نے یہ سمجھا ہے کہ ان چھوری اور طفلانہ باقیوں سے قیامت کا وقت مل جائے گا۔

مولانا اصلاحی خود بخیر و عافیت ہیں۔ انھیں یہ بھی خطرہ نہیں کہ "حلقة تدبیر و تسریع" کا جو مشغلاً اتفاقوں نے اختیار فرمایا ہے اس کی راہ کمی ابتلاء کمی زندان، ہکسی دار و گیر سے گزر گی

کوشش کرنے والی ہندوستانی قوم ایک ایسی جمہوریت کی علیحدگار
خنچیں حاکمیت کا پروپر اسٹھان عوام کو حاصل ہے۔ ایسا
کوئی عقیدہ اس قوم کے تصور جمہوریت میں شامل نہیں تھا جو
کائنات کے اصل اور دامنی حاکم کی حاکمیت کی ادنی اسی بھی
رعایت اور لحاظ پر مبنی ہے۔ غیر مسلم تو ایک طرف ہے علمائے
اسلام تک کا ادعائے جمہوریت اس تصور سے بالکل خالی
تھا کہ عوام کا حق حاکیت الحدود نہیں ہے۔ انھیں قانون
سازی میں ایک آفیشی اور آسمانی قانون کی پاسداری
بہر حال کرنی ہے۔ اس تصور سے خالی ہونا قادر تھی بھی تھا
اور منطقی بھی کیونکہ جس ملک میں غالب اکثریت غیر مسلمین کی
ہو تو اسی سوال ہی کہاں پیرا ہوتا ہے کہ جمہوریت کے نمائے
قانون وضع کرتے ہوئے اسلامی قوانین کی بھی پاسداری کریں
اہذا اس وقت جس جمہوریت کی بحث الٹھی اسکی عین طبیعت
اور ترکیب میں یہ باطل، مشترکاً اور مذہب مذہبی سماں ہوا
تھا کہ عوام کو الحدود اور بے قید بھی حاکمیت حاصل ہے۔ وہ
اس کے پابند نہیں ہیں کہ اپنے وضع کردہ قوانین کو اسلام
کے قوانین سے نکرانے نہ دیں۔ ایسے ضابطہ وضع نہ کریں جو
اسلام کے وضع کردہ ضوابط کی ضرورتی اور لاقیعنی ہوں۔ انھیں
بائی رضامندی سے ہر طرح کا قانون و مستور بنانی کا جائز
حق حاصل ہے اور مالک الملک دیجی ہیں ان کے سو اکونی ہستی
نہیں جس کی حرمنی اور ہدایات کا لحاظ رکھنا انپر ضروری ہو۔
یہی وہ جمہوریت تھی جسے مولانا مودودی نے شیطنت
قتار دیا تھا اور حقیقت وہ شیطنت ہے بھی۔ خدا کی حاکمیت
کا تصور ذہن سے خارج کر کے یہ طریقہ لینا کہ ملک کی اکثریت
جس شے کو حلال اور جس شے کو حرام قرار دے گی وہ بالیقین
تھی بجانب ہو گی کل بھی شیطنت تھا اور آج بھی شیطنت ہے
اور قیامت تک شیطنت رہے گا۔ اسے شرک اسی معنی میں
کہا گیا تھا کہ اس میں عوام کی خدائی کا دعویٰ اور کامل طور پر
مالک الملک ہونے کا ادد یا پو شیدہ ہے۔ پھر جب مولانا مودودی
نے یہ کہا کہ اسلام کا اپنا ایک سُقل نظام سیاسی ہے جو ملکیت،
امریت اور جمہوریت سب سے الگ ہے تب بھی جمہوریت سے انکی

غلبہ اس وقت تک رہا جب تک یہ حضرات بیارت
میں نہیں اترے تھے۔ بیارت کے میدان ہر لڑنے
کے بعد ان کو جمہوریت کے فرسے کی مقابلیت کا مجھ
اندازہ ہے اتو انھوں نے آہستہ آہستہ اپنی تحریروں
اور تقریروں میں اسلامی نظام کے ساتھ جمہوریت
کا لفظ بھی استعمال کرنا شروع کیا۔ لیکن اسکے ساتھ
”اسلامی“ کا دم چلا لگا کہ پھر جب بیارت میں
ذریحہ اور آگے بڑھتے تریزی جمہوریت رہ گئی۔
”اسلامی“ کا لفظ غالب ہو گیا اور اب اس وقت
یہی حضرات جو انبیاء علیہم السلام کے طریقہ بیارتی
دنیا میں خالص اسلامی نظام قائم کرنے اُٹھے تھے
میں فاطمہ جناح کی قیادت میں امریکی طرز جمہوریت
کے مقابل میں برطانوی طرز کے پارلیمانی نظام کے
حصول کے لئے تن، من، دھن، تینوں کے ساتھ مصروف
چہاڑے ہیں۔ اسلام اور اسلامی سب غالب ہرگئے
وہ آغاز تھا یہ انجام ہے!

ذکی اور باعلم لوگ بھی فقہی نکات سے سنتھیں بند
کر کے حفظ سچی جلطاخ پیارخ پر اُٹرا ہیں تو اسے دھاندلی اور
جبارت کے سو اکیا کھا جا سکتا ہے۔

اہل الفہاد جانتے ہیں کہ ماہنی کے کسی بھی واقعیت پر
تقریب کو اس کے اپنے دور کی شخصیتیات، ماحول اور وقائع
کے جو کٹے ہیں رکھ کر دیکھنا چاہیئے ورنہ دیانتدار از تجزیہ نہ
ہو سکے گا۔ آج اونٹ اور جو پر بھینٹا تھا اس کے خلاف
اوہ مغلکہ خیر بھاجا تا ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ حنیدہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان دونوں پر بیٹھے ہیں۔ اب اگر کوئی بیمار کے رسم و
رباج اور کوائف و مقنیعیات سے جد الکر کے حضور کے اس
فعل کو ہدفت تغیر نہیں جائے تو نو ز بالآخر یہ طلب نکلنے کا
کہ آپ فدا ہائی وابی متین و شاستر نہیں تھے۔

کے نہیں معلوم کہ مولانا مودودی نے جس زمانے میں
جمہوریت کا رد اور ابطال کیا وہ زمانہ تقیم سے پہلے کا زمانہ تھا
جب انگریز حکومت کر رہے تھے اور ان سے حکومت چھیننے کی

اس وقت بھی پر شربت لائیں احتساب ہی ہے اسی طرح مولانا مودودی کا مطلب یہ نہیں تھا کہ جب تصور جمہوریت سے عوام کی لاحدہ دادا اور کچی حاکیت کا باطل عقیدہ خارج ہو جاتے اس وقت بھی یہ لائق پرہیز ہی ہو گی۔

لیکن مولانا اصلاحی معنوی اور زمانی فرقہ کو نظر انداز کر کے اندھا حصہ اعتراض کی لاٹھی گھاڑی ہے ہیں۔ پاکستان بنایا ہی گیا تھا اس اعلان کے ساتھ کہ ہمیں ایک ایسا قطعہ زمین چاہئے جو اسلام کی حکومت فاقم کر سکیں۔ پھر وہاں چاہئے تھیں کہ دنیا پرست اور بیعت مسلمان حکمران بننے رہے تھے لیکن یہ عقیدہ بھی ظاہر نہیں کیا گیا کہ ہم اسلام کی قیاد کو ختم کرتے ہیں دین خداوندی کی بالادستی پر خط مسیح پھرستے ہیں۔ عوام کو یہی مخالف ہر طرح کے تو نہیں بناتے کی جاہز ہو۔ اس کے بخلاف یہیں دستور میں یہ دفعہ شامل کی گئی کہ کوئی قانون قرآن کے خلاف نہیں بن سکے گا اس کا مطلب اس کے سو اکیا تھا کہ جمہوریت کے تصور سے عوام کی کلی حاکیت کا مشترکانہ عقیدہ خارج کر دیا گی اور یہ بات یہیں کہ حقیقی اور کامل بالادستی خدا ہی کو حاصل ہے۔ عوام کی مرضی اسے بدھنل نہیں کر سکتی۔

اب چاہے حاکموں کی عملی زندگی کچھ بھی رہی ہو وہ اسلامی اعتبار سے کیسے ہی بے تو نیق رہے ہوں۔ انہوں نے ہر ہی روز کے اسلام کی پروردی میں کیسا ہی تساؤں اور تعابن پرستا ہو یہیں جس طرح آپ ایک بے نمازی ستارگ صوم و زکوٰۃ گناہکار مسلمان کو بداعملی کی بناء پر کافر کا فرت ار نہیں فرمائے جب تک کہ اسکی طرف سے عقیدہ کفر ہی کا اعلان و اظہار نہ ہو اسی طرح پاکستان کی جمہوریت بھی یہی اول سے وہ جمہوریت بن چکی ہے جو مشترکانہ نہیں۔ حاکیت اُبھی کی منکر نہیں، عوام کے المالک الملک ہونے کی مردی نہیں۔ مشترک و توحید اور کفر و ایمان کا تعلق ذہنی عختار و تصویرات سے ہے۔ عمل پاکستانی حکومتیں جو بھی حرکتیں کرتی رہی ہیں مگر عین دستور میں مشترکانہ کی بالادستی ثبت رہنا اس بات کے ہم معنی ہے کہ عملی و نظریاتی اعتبار سے وہاں کی جمہوریت وہ شیطانی اور حریف اسلام جمہوریت نہیں ہے جسے مولانا مودودی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جب پھلوں کے روس میں زہر نہ ملا ہوا ہو

مرا درستہ اور قطعی طور پر وہی جمہوریت تھی جس کا غلغٹ اس وقت بلند تھا۔ وہی جمہوریت تھی جس کی عین طبیعت ہی میں خدا کی بالادستی سے انکار اور عوام کی حاکیت کا ملک کا مشترکانہ دعویٰ سے صاف نظر آ رہا تھا۔ وہی جمہوریت تھی جسے غیر مسلم اکثریت کے ملک ہندوستان میں غصب العین بنایا گیا تھا اور بنایا جا سکتا تھا اس پر مولانا مودودی نے اگر شدید مدارسے تنقید کی تو گناہ کیا کیا خود مولانا اصلاحی بھی ان کے ہمزاٹے۔ پھر جب مولانا مودودی صریح لفظوں میں واضح کر دیتے ہیں کہ جمہوریت راجہ مصطفیٰ پریسیر کی وجہ اس کی حیثیت مشترکانہ ہے تو بالآخر یہی شیطانی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ جمہوریت کے ہر ہر پہلو کو شیطانی قرار نہیں دے رہے تھے بلکہ اس نیادی تصور کو شیطانی ٹھیکرا رہے تھے جس کی رو سے زمین کا اصل مالک دخالت کی طور پر بے دخل مان لیا جاتا تھا اور عوام کی اکثریت ہی کامل طور پر ملک تسلیم کر لی جاتی تھی۔ یہ نیادی تصور فساد کا ایسا سرخیہ ہے کہ پھر جمہوریت کے دوسرے مستحسن پہلوؤں کو قبول کرنے کی اسی طرح جماں باقی نہیں رہتی جس طرح کسی بدی اسلام میں اکھ صریح کافرانہ عقیدہ پایا جائے تو پھر اس کے باقی عقائد صحیحہ کی کوئی قیمت باقی نہیں رہ جاتی۔ عقائد و نظریات ہی اعمال کی جڑیں۔ ایمان صرف عقیدے ہی کاناہ تو ہے۔ اگر جمہوریت کی نیادی اس عقیدے پر ہو کہ عوام یہ سے خدا تک کی بالادستی ختم ہو گئی اور وہ کلی طور پر آزاد ہے کہ کشت رائے کے ذریعے جو چاہے قانون بنائیں۔ جس حلال کو چاہیں حرام کر دیں اور جس حرام کو چاہیں حلال کر لیں تو جمہوریت اپنی تمام خوبیوں اور افادیوں کے باوجود ایک ایسا شربت بن جائیں جس میں ذہر ہلہل آمیز کر دیا گیا ہو۔ اس شربت سے احتساب کی دعوت دینا خیر خواہ ہوں کافر منصبی ہو گا اور اس کے نشیں اجزا اور کاچھ لحاظ نہ کیا جاتے گا۔

مولانا مودودی نے اسی شربت کو ہملاک کہا تھا اسی کے مقابل اسلامی نظام سیاست کو جدا گانہ حیثیت دی تھی ورنہ جس طرح ذہر سے ہوئے شربت سے دعوت احتساب دیجئے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جب پھلوں کے روس میں زہر نہ ملا ہوا ہو

کرنے لگئے ہیں وہ جمہوریت اپنی جوہری اور معنوی حقیقت کے اعتبار سے وہ نہیں ہے جس کی مخالفت وہ قبل تقسیم کیا کرتے تھے۔ بتدیوں کو بھی معلوم ہو گا کہ دارالاسلام اور دارالحرب کے احکام مختلف ہیں۔ ایک حیردارالاسلام میں حرم ہوتی ہے مگر دارالحرب میں جائز قرار پا جاتی ہے۔ یعنی کب تبدیلی آخر سیاسی فرقہ ہی پر توبیخ ہے۔ علی ہذا ایک ہی عمل عقیدہ اسلام رکھتے ہوئے کیا جائے تو جنت کا دستیہ ہوتا ہے اور عقیدہ اسلام موجود نہ ہو تو جنت کا سواں ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جمہوریت جب شرک و کفر کے عقیدے پر استوار ہوتا تو وہ ایسی ہی باطل شے ہے جس کے متعلق بجا طور پر کیا جائے کہ اسلامی نظام سیاست اس سے مختلف نہ ہے اور جب وہ شرک و کفر کے عقیدے سے یا کر دی جائے گی تو اپنے باقی محسوس بہلوؤں اور فوائد معلوم کے اعتبار سے وہ لائق حمایت نہیں کرے گی اور یہ نہ کہا جاسکے کہ اس میں اور نظام اسلامی میں دوستی اور تعاون ہے اسلام بھی اس معنی میں جمہوریت ہی ہے کہ وہ انسان پر انسان کی آفی کو حرام قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اہل ملک باہمی مشورت سے عدل و مساوات کا لحاظ رکھتے ہوئے ملک کا انتظام و انصاف کریں اور کسی کو کسی پر قائمہ اور سلطنت حاصل نہ ہو اہم امور میں مشاورت اور آمرانہ خود رائی سے پرہیز اس کی اولین براہیت ہے۔ وہ ایسی ہی دسجع المصادر اور ادای کا علم برادر ہے جسی آزادی مردوجہ جمہوریت پسند کرتی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ بنیادی قوانین میں وہ اصل مالک و خاتم اللہ تعالیٰ کو قرار دیتا ہے اور بدلے اس کے نائب ہیں جن کا فرض ہے کہ الہی قوانین کے خلاف نہ جائیں۔ ان سے اخراج نہ کریں بھی وہ نکتہ ہے جو اسلامی جمہوریت کو مردوجہ جمہوریت سے جدا کرتا ہے اور پریسی جمہوریت کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے کا مدار ہے۔ مولانا مودودی نے پہلے جس جمہوریت کی مخالفت کی اس کی موافقت آج بھی وہ ہرگز نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے۔ لیکن جس جمہوریت کی حمایت وہ آج کر رہے ہیں اس کی نہادت اخنوں نے نہ پہلے بھی کی ہے نہ آئندہ بھی کر سکتے

تقسیم سے قبل مردود قرار دیتے تھے۔

یہ نری یا وہ گوئی ہے کہ مولانا مودودی اور انکی جماعت کو میدان سیاست میں اُترنے کے بعد نظر جمہوریت کی مقبویت کا اندازہ ہوا۔ جمہوریت تو اس صدی کے اوائل ہی سے ایک ایسی چیز بنتی گئی ہے جس کی مقبولیت کو عالم و خواص سب دیکھ رہے ہیں۔ جس وقت تو اس کی مقبولیت کا پھر یہ اساتذہ میں سماں پر ہوا رہا تھا۔ سارا عالم اسی کے تھا اور گوئی رہا تھا۔ ایک رہا جانا بھی جانتا تھا کہ بادشاہت کے زمانے لد گئے اور جمہوریت ہی اب ڈنکا بجاتے گی۔ اس وقت مسلمانوں کے بیانیہ اور فضاد اور زبر کو دنیا کی انہوں کے مودودی اس کے تھیں اور نطاہر نکونے کی جرأت کرتے ہیں تو اسے ان کی غیر منمولی بصیرت، شہادت و ہمت اور کلمۃ الحق کہتے ہیں جذبہ صادق سے تعبیر کرنا چاہئے درگا تھا انہیں سمجھی ہے۔ پھر جن قیم کے بعد پاکستان میں اس سانپ کے دانت لٹکتے اور بنیادی فضاد ختم ہو گیا تو اس کے فوری ادراک اور اس ادراک کے مطابق اپنے موقف میں دیانت، ارادہ اور حقیقت پسنداد تبدیلی کو مولانا موصوف کی بیداری عزیز، مستعد و مودع ثرف بھاگا ہی کا روشن ثبوت اتنا چاہئے تکہ ابن القی خاتم اور مفاد پرستی کا۔

بدگانیوں کا آخر کیا علاج ہے۔

مگان خواب راحت ہے۔ علاج اس بدگانی کا ہے وہ کافر، گور میں مومن مرنے شلنے ہاتا ہے پچھلوگ ایسی ہی مردار اور معاذ انہ منطق سے حضرت ابو بکر و عثیۃ تک کو نفوذ بالشہادت لئے اقدار پرست اور بلا بھی باور کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو دفن کرنے سے قبل ہی سیاست و حکومت کی طرف سبقت کی تھی تو ہم اور آپ کیا کر سکتے ہیں۔ مولانا اصلاحی جماعت اسلامی کے ہر فعل و عمل کو بے معنی ہنانے اور بنتی سے جوڑنے کا بیڑا اٹھا کر ہیں پھر بھلا خہیں یہ فرق کسے نظر آسکتا ہے کہ تقسیم کے بعد مولانا مودودی جس جمہوریت کی حمایت

استعمال متر قریب کیا تو یہ کوئی قابل اعتراض نہ ہے اسی اخراجات نہیں تھا بلکہ تھیک ایسا ہی تغیر تھا جس کا مظاہرہ ہم نو مسلموں کے بالے میں کرتے ہیں۔ کیا ہم پر یہ فرض نہیں کیا گیا ہے کہ جب ایک کافر و مشرک اسلام قبول کرے تو اسکا نام بھی اسلامی تجویز کر دیں۔ اگر ہم اسلام اپنی وضع ہی میں کافراً تھا تو اسے بالکل ختم کر کے نیا نام رکھیں اور اگر وہ وضعیت ہیں کافراً نہیں تھا تو اسی کے ساتھ کوئی اسلام لفظ ضرور جوڑ دیں جو اس تبدیلی مذہب کی علمدار سمجھا جائے۔ تھیک اسی فرض کی ادائیگی مولانا مودودی نے امورت کی تھی جب چیزیں کے ساتھ اسلامی "کالا قلم منسلک" کیا۔ کوئی "دم حملہ" مکمل اس پر طعن کرتا ہے تو اصلًا مولانا مودودی کی نہیں بلکہ اسلام کی تفعیل کرتا ہے۔

پھر اس کے بعد جب مولانا مودودی نہ لفظ "جمهوریت" بولنے لگتا ہے تو یہ بھی ایسا کوئی فعل نہیں تھا جس پر احتجاج کیا جاتا۔ المعرفت کا المشروط۔ ہم نے اسی جائزے کے عنوان میں مولانا امین احسن کا نام حذف کر کے فقط "اصلاحی" سپرد فلم کر دیا تو کیا اس سے شہر بر ابھی اجمالی اہمیت ادا ہوا۔ اصلاحی، یعنی مدرستہ الاصلاح کے فارغ التحصیل ہزار ہو سکتے ہیں لیکن کسی کوشش نہ ہوا ہو گا کہ عنوان مولانا امین احسن کے سوا بھی کسی اصلاحی سے متعلق ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مولانا مودودی اکثر استعمال کی صورت میں ازراحت اختصار صرف "جمهوریت" کے لفظ پر اتفاق کرنے لگے ہیں تو اس سے ادنی وجہ میں بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا کہ جمہوریت سے ان کی مراد وسی یا لمرکی یا فرضیہ جو چیز ہے بلکہ بالیقین اور باریب وہی جمہوریت مراد ہو گی جیسا کہ میں دستور کی زبان سے کلمہ شہادت پڑھ چکی ہے۔

کتب حدیث میں ازراحت اختصار حدشا کو صرف نا لکھا جاتا ہے اور کسی "عجائب" کے ساتھ ان کا تخصیص تعریفی فقرہ رضی اللہ عنہ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح ہم "اقبال احمد" کو عکماً "اقبال" کہ کر پکارتے ہیں۔ ایک شخص کراچی سے گاڑی میں بیٹھ رہا ہو اور سوال کرنے پر جواب دے کر حیدر آباد جا رہا ہوں

ہیں کیونکہ اللہ کے قانون کی بالادستی اور اپنے اختیارات کی ایک حد میں کر لیتے کے بعد جمہوریت جس تصویرات اور طرزِ منتظر کا نام ہے وہ تو تھیک وہی ہیں جو ناموں اور تعبیروں کے فرق سے انبیاء علیہم السلام کے ناموں میں بھی موجود ہے ہیں۔ کیا ہمارے حضور نے اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے تھیک جمہوری طریق کا راستہ اختیار نہیں فرمایا تھا۔ کیا آپ نے دعوتِ عام کے ذریعے جمہور کو اپنا ہمزا بنا نے کے بعد ہی سیاسی اقتدار کی نیام اپنے دستِ مبارک میں نہیں لی تھی۔ کیا آپ نے استبدادی اور جاہانگیری طریقہ استعمال کئے تھے ہے۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ جمہوریت تو اپنی روح، حاصل اور اطرافات کے اعتبار سے واحد عادلانہ نظام ہے تھا طیک خدا کی بالادستی کو جو نہ کر دیا جائے اور انسان اپنے آپ کو حقیقی قانون ساز نہ تصویر کر سکی۔ اصطلاحات سے سادہ یوں کو دھوکا ملت دو۔ اصطلاحات کا حلیہ آج کل بہت خراب ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مولانا مودودی کیا حقیقتہ آج اس چیز کی حریت کر رہے ہیں جس کے کل مخالف تھے یا وہ چیز اسی طرح اپنا معنوی مقام اور حیثیت بدل چکی ہے جس طرح ایک غیر مسلم کلمہ پڑھنے اور احتراف ایمان کرنے کے بعد اپنا مقام اور حیثیت بدلتا ہے جا ہے عمل اور کتنا ہی ہے تو قیمت کیوں نہ ثابت ہو۔ تم پر لازم ہے کہ ایک کافر جب کلمہ پڑھ کر اقرار ایمان کر لے تو اس کے بارے میں فیروزش پر ڈل دو۔ اُن فیصلوں کو لپیٹ کر رکھو جو حالت کفر سے حصہ ہے۔ پوری دنیا میں جمہوریت کی اساس عوام کی حاکیت کا مدل نکے حق پر ہے لہذا ایک ہم من کی نظر میں باطل ہی قرار پانی چاہتے تھیں جس ملک میں حاصل مالک الملک کی بالادستی جزو دستور بنالی گئی ہے اور حاکیت عوام کی مناسب حد میں کر دی گئی ہیں وہاں جمہوریت کی تائید و حمایت ایک اچھی مفید اور حمودش کی تائید حمایت ہے۔ یہ وہ جو ہے کہ جن مولانا مودودی نے غیر منقسم ہندوستان میں جمہوریت کا ر دیکھا تھا ہی تھیں کی تعداد اس کی حمایت کر رہے ہیں اور جب انھوں نے اسلامی نظام کے ساتھ لفظ جمہوریت کا

نہیں بتاتی کہ انہوں نے صاف و سادہ جمہوری طبق احتیار کیا۔ لوگوں کے ذہن بدلے اور دعوتی مراحل میں جب انہیں طائفی قرتوں سے ٹکر لینے کا مرحلہ پیش آیا وہ تکر لگئے۔ فقط "حلقة تدبیر قرآن" میں ان کی مساعی خود نہیں تھیں بلکہ مذکور تدبیر قرآن "میں ان کی مساعی خود نہیں تھیں بلکہ وہ میڈی اپنی جنگ بھی لڑتے تھے۔ ہتھیار بھی بجا تھے۔ ماذی تدبیر بھی احتیار فرمات تھا۔ انہوں نے رخ بھی کھلتے۔ قیدیں بھی بکھتیں۔ مصلیٰ چھوڑ کر گھوڑے کی کمرنے بھی وقت لگدار۔ آج کوئی شخص تدبیر کانام سیاسی چالیں رکھ کر طعن و تشنج کا دروازہ ہکولتا ہے تو اس سے یہ حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی کہ اقاہت دین کی جدوجہد میں سیاسی دوڑیتی اور عملی کو یہ رخ بھی طریق انبیاء ہی کے اجزاء ہیں۔

رباوه فریب چو امریکی جمہوریت اور برطانوی نظام کی اصطلاحوں سے دیا جا رہا ہے وہ صرف ان لوگوں کو بمار ک ہو جو الفاظ کے ہکلاری ہیں۔ جو فقط مدرس اور واعظ ہیں افقابی شخصیتیں معانی و مطالب پر نظر رکھتی ہیں۔ عمل اور مناج سے انہیں سروکار ہے۔ بقول شاعر مشرقی:-

الفاظ کے چندے میں ابھتے نہیں دانا
غیر اصل کو مطلبے صدقے کہ گھرے
ایوب خاں اگر جمہوریت کی راہ چلتے۔ امریت کی روشن
احتیار نہ کرتے تو یہ سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا کہ نظر
حکومت کا ڈھانچہ امریکی طرز کا ہو یا برطانوی انداز کا۔ جمہور
ثمرات و معانی چاہتے ہیں اصطلاحات اور نعرے نہیں۔ جو بھی
شخص یہ باور کرنا چاہتا ہے کہ پاکستان کی موجودہ انتخابی جنگ
جمہوریت اور امریت کی نہیں صدارتی اور پارلیمنٹری نظاموں
کی جنگ ہے۔ شکلکوں اور دھانچوں کی جنگ ہے وہ یا تو خود تھا ان
садاہ لوح تھے یا دینا کو احتمنا بنانا چاہتھا ہے۔ کاش ایوب خاں
آخر و سنی خود ملائی اور عوامی جذبات سے بے احتنامی کی روشن
احتیار نہ کرتے تو کس کا بھی خراب ہوا تھا کہ وہ خاہ نجوہ ان کے
خلاف لنگر لنگوٹھ کرتا۔ کم سے کم جماعت اسلامی تو موجودہ موقف
ہرگز احتیار نہ کرتی۔ لیکن جب صدارتی نظام کی اطمینان میں حکومت و
سیاست حامل ہو سکی ہے ان کی تاریخ اس کے سوا ہیں کچھ

تو حالانکہ اس نے "حدرا باد مندہ" نہیں کہا لیکن کوئی ہوشمند یہ لگان نہیں کہ سکتا کہ یہ سکتا ہے وہ ہندوستان والے "حدرا آباد دکن" جا رہا ہے۔ اپنے بیٹے کا نام رفع الدین ہے۔ کبھی بھارتو اپ اسے یوں خطاب کر سکتے ہیں کہ بیٹے رفع الدین ادھر اور۔ لیکن ہمہ شہزادے تو اس لفظ "بیٹے" کا التزم نہیں کر سکتے لیکن ظاہر ہے کہ لفظ میٹا استعمال کئے بغیر بھی اس کا نسب مشتبہ نہیں ہو جائے گا! —

پھر آخر اغراض کی یہ کوئی ختم ہے جو مولانا اصلاحی نے احتیار فرمائی۔ سید ہی سی بات ہے کہ جب تک جمہوریت اپنی مشترکانہ اساس پر قائم ہے اسے لعون مانا اور کہا گیا۔ اسلامی نظام کی اس سے جو اسے بتا گیا۔ بھر قسم کے شیخ میں ایک نیا ملک نہ ہب ہی کی بنیاد پر مبنی اور اس اس جمہوریت نے ترک سے قوبہ کر کے کلمہ شہادت پڑھاتے مولانا مسدد دی فیجا طور پر اس کے ساتھ "اسلامی" کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا تاک اس مجدد تغیری کی نشانہ ہی ہو۔ احسان کیا جاتے۔ اس کے بعد تغیری معرف و مسلم شے بن گیا۔ اس کا نیا پن ختم ہوا اور ساری دنیا نے جان لیا کہ پاکستانی نظریہ جمہوریت اور دوسرے ممالک کی جمہوریت کے مابین اساسی عقیدے کا کیا فرق ہے۔ اہنہا اب یہ قدر تی بات ہے کہ بغیر ملامتی الفاظ کے تہہ لفظ جمہوریت زبان سے نکلے اور سوائے مولانا اصلاحی کے سی کو جید ترین احمد بھی نہ گزرے کہ اس لفظ کو جو لئے والا پاکستان کی "مدد جو ہے" کے علاوہ بھی کسی میراثی جمہوریت کا ذکر کر رہا ہے۔ خدا عناد سے بچاتے۔ یہ ظالم آدمی کے دماغ کو فیل مست بے زخیر کے دماغ میں بدل دیتا ہے۔

انیماں علمِ اسلام کے طور طرفی کا ذکر طنز کے سیاق میں کرنا آسان ہے لیکن یہ سچھنا مولانا اصلاحی جیسے خیال پرستوں اور تحریری آرٹسٹوں کے میں کاروگ نہیں کہ نظریاتی زہر و تقویٰ اور تخلیصی صاحبیت کے حسین خاکے بنا اجتنباً آسان ہے اینٹ اور تھکر کی دنیا میں حق کے غالب اور باطل کو مغلوب کرنا اتنا آسان نہیں۔ جن انبیاء کو اپنے مالک میں حکومت و سیاست حامل ہو سکی ہے ان کی تاریخ اس کے سوا ہیں کچھ

جس گھر طے بھر پانی میں چیل کوں کابول و براز
آمیز ہو گیا ہوا ایک فقیر لازماً یہ کہ کارکار اسے مت پڑو
یہ بخس ہو گیا ہے۔ اگر لوگ شوق سے اسے پینا چاہیں گے
تو وہ ٹوکے گزار و دیگا کارکار اس کا پینا شرعاً حلال نہیں ہے۔
پاک اور مصقاً پانی پیو۔

لیکن دفعتاً ایسی صورت پیش آجائی ہے کہ ایک طرف
یہ پانی ہے اور دوسری طرف ایک گھٹا پانی ایسا رکھا ہے
جس میں خنزیر کا پیشاب اور کستہ کا برآمد گیا ہے جس میں
تیر نش کی تشراب بھی گھول دی گئی ہے۔ تیر کوئی مصقاً اور
پاک پانی موجود نہیں۔ لوگ پیاس سے جاں بلبیں جھوڑ
ہیں کہ ان میں سے کوئی سائی کر سانس کا رشتہ قائم رکھنکیں
اس وقت یہ فقیر فیصلہ دیتا ہے کہ اول الذکر کوئی لوٹانی
الذکر کو ہرگز نہ پیو۔ نہ صرف فیصلہ دیتا ہے بلکہ خیر خواہی
کے جذبے سے جدوجہد بھی کرتا ہے کہ لوگ سادہ لوچی اور
غلط فہمی میں دوسرا پانی نہ پیں۔ پہلے ہی کرپی کر جسم و
روح کا رشتہ قائم رکھیں۔

اب بتاؤ کیا اس فقیر پر یہ اعتراض جڑ بیانا دشندی
کا کام ہو سکتا ہے کہ مجھے صاحبِ کل تک تو اس اول الذکر
پانی سے پرہنزا کامبئن نہ ہے تھے اور آج شرود مدد سے
ایسی کی تلقین فرمائی ہے۔

**ٹھیک انھی تسلیات کی سطح پر اس صورتِ حال کو
سمجو جو خوب رکھت بن رہی ہے۔**

جمهوریت یعنی عوام کا آزاد و خود محترم ہونا اور
محسی ایسی ہی جیسے انسان کی مرضیات کا غلام ہونا ازال
سے لیکر آج تک انسان کی حیات اجتماعی کے لئے مار مصقاً
کا درجہ رکھتا ہے۔ ایسا مار مصقاً جو اجتماعی زندگی اور تمدن
معاشرت کے لئے صحت اور فلاح و ترقی کا ضامن ہے
مولانا مودودی نے جب بھی جمپوریت کی مخالفت کی ہے
اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوا ہے کہ وہ لوگوں کے سروں
پر کسی مطلق الغافل آدمی کا سلطنت پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے

قطعی نظر انداز کر دیا گیا جب تک بھر کے اہل علم کی جمیخ بخار
کے باوجود اعلانی تو انیں ناقد کر دیجئے گے اور جب جاری ڈینس
چاہا پستول کی طرح داغدیا تو اقامت دین کے علمبرداروں کے
لئے اس کے سوا کیاراہ باقی رہ جاتی تھی کہ وہ اس مستبد اور خود
سرنظام کو بدلتے کی سعی کرتے چاہیے اس کی خاطر کسی حورت ہی
کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اب وہ کامیاب ہوتے ہیں یا ناکام
یہ تو اللہ کی سمجھی مشیت پر مختصر ہے۔ یہ بہر حال ماشا پیغمبر
شکست و فتح نسبی پر ہے وہی امیر
مقابلہ قبول ناواران نے خوب کیا

ایک اور پہلو

فرض کرو ایک طاکٹر نہایت شروع مدد سے کرتا ہے کہ وہ نگل
کا تیل صحت کے لئے نقصان رسان ہے۔ اصلی بھی کھایا کرو
مونگ پھل کے تیل میں سالن مت پکاؤ۔ یہ فہاش اور تنبیہ
ظاہر ہے کہ غلط نہیں۔ عوام کی بھی خواہی اور ہمدردی ہی پڑھنی
ہے۔

اب دفعتاً ایک جگہ ایسی صورت پیش آتی ہے کہ فقط وہ
طرح کے سالن موجود ہیں۔ ایک وہ جو مونگ پھل کے تیل سے
تار کیا گیا ہے اور دوسرا وہ جس میں اذہر کی آمیزش ہو گئی ہے
لوگ قطعی طور پر جھوڑ ہیں کہ ان میں سے ایک سالن کھائیں پسبرا
کوئی سالن نہ موجود ہے نہ چھیا ہو سکتا ہے۔ اس وقت ٹاکٹر
اٹھتا ہے اور تنبیہ کرتا ہے کہ خرد راز ہر ملا ہو اسالن مت کھانا
یہ ہلاکت کا موجب بنتے چا۔ مونگ پھل کے تیل والا کھالو۔ یہ
بجائے خود نقصان دہ سہی لیکن فوری طور پر جھلک تو نہیں ہے۔
اہل الصافہ ہمیں بتائیں کیا اس طاکٹر پر یہ اعتراض
وارد کرنے معمول ہو سکتا ہے کہ کل تک تو یہ مونگ پھل کے
تیل کو لا تیقین پر ہر یہ قزادے رہے تھے، صدر سالن بتائی ہے
تھے لیکن آج اسی کو ترجیح دے رہے ہیں!۔ اس کے استعمال
کی تلقین فرمائیں!!

فقہی مثال لو:-

ہنس ہوئی چاہیئے۔ اسی لئے اسلامی نظام حکومت کی راہ جمہوریت ہی کی راہ ہے اور اسی راہ چل کر اس منزل تک پہنچا جاسکتا ہے جہاں انسان یقیناً صورت سکے کہ آزادی کی نعمت سے سرفراز اپنے نئے باوجود وہ آقا میں کائنات کی غلامی سے آزاد نہیں ہے۔ میں جناح اور ابن کے چامیوں کی بہت بڑی تعاد کے باکے میں ہم یہ خوش ہمی یقیناً نہیں رکھتے کہ ان کا صورت جمہوریت اسلامی جمہوریت کے میں مطابق ہے لیکن اسلامی جمہوریت کی منزل تک پہنچنا ممکن ہے حال اسی راہ سے ہے۔ غیر جمہوری دستور اور مطلقات العنان حکومت کی موجودگی ایسا ہمایہ ہے جو سرے سے راہ سفری کی مسادروں کو دیتے ہے۔

ایک مخالف

مولانا اصلاحی نے بھی اور بعض اور خوش نکروں نے بھی کئی کئی طرح یہ مخالفہ دینے کی کوشش کی ہے کہ اگر ایوب خان کی حکومت اسلامی نقطہ نظر سے بری ہے تو مس جناح کی متصورہ حکومت بھی تو اچھی نظر نہیں آتی۔ اہذا عملاتے دین کو کسی کی بھی حمایت و مخالفت نہیں کرنی چاہیے اپنی آخسر کیا احتصار پیش آگیا ہے کسی نہ کسی کی حمایت و مخالفت ضرور کریں۔ دو برائیوں میں سے کتر برائی کو اختیار کرنے کا مشورہ فقہ اسی وقت دیتی ہے جب کسی ایک برائی کو اختیار کرنا اگر یہ ہو گیا ہو یہاں کوشا احتصار ہے کہ علماء زبان میں فعل ڈال کر نہیں بیٹھتے۔ کس نے جمہور کیا تھا کہ جماعت اسلامی مس جناح اور ایوب خان کسی ایک کی طرفداری ضرور کرے۔ وہ غیر جانبدار بھی رہ سکتی تھی۔

بات بظاہر حسین ہے۔ لیکن اس حسن کے پیچے الگ فری اور مخالفہ دہی کے سوا بچھی نہیں۔ جماعت اسلامی کے غیر جانبدارین جانے سے اگر مس جناح اور ایوب خان کے علاوہ کوئی تشریص اور اعترض وجود میں آجاتا تو یہ کہنا معقول ہو سکتا تھا کہ غیر جانبداری کی صورت میں دونوں برائیوں سے دامن نج گیا۔ لیکن جبکہ ان دونوں ہی امیدواروں میں سے

صرف اس جمہوریت کی خلافت کی ہے جن میں انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کی غلامی سے انکار کرنے کے ساتھ ساتھ خدا کے مالک الملک کی غلامی سے بھی انکار کرتا ہے جس میں اس نختارِ ملک آقا کی حاکمیت سے بھی دل دماغ خود کو فارغ کر لیا جاتا ہے جو ہر حال میں نختار کل اور امیر مطلق ہے۔ ایسی جمہوریت مار مصقاً نہیں بلکہ خاست ملا ہے اپنی ہے۔ اس کو جس اور لائق انتخاب کہ بغیر چارہ نہیں۔ مولانا مودودی نے لکھا ہے اس کی نیزت اور تصحیح میں لکھا یہ اس کا متعلق بہر حال ایسی آمیزش سے تھا۔

لیکن جب دوسری طرف شخصی استبداد اور کسی قاپرو جابر انسانی قانون کی آقا میں کا سوال کھڑا ہو گا ہبتوں کے مقابلہ میں مولانا مودودی کو لا زماً جمہوریت ہی کو ترجیح دینی ہو گی چاہے وہ فی الواقع خاست سے کلی طور پر پاک ہو۔ یہ شخصی استبداد جب صریح طور پر دین و اخلاق اور عدل و انسانیت کی قدر روں کا عدد و میں ثابت ہو رہا ہے تو اسکی مثال بھیک اسی پانی کی سی ہے جس میں جیل کو نکلی بیٹھ نہیں بلکہ خنزیر و ملکبے پول دبراز اور تنہ و قیز شراب ہوں دی گئی ہے۔ اگر یوں جمہور ہے کہ ان دونوں پانیوں میں سے کسی ایک کو پیش کیا جرم و گناہ ہے اگر مولانا مودودی نزد دے رہے ہیں کہ پہلے کو پیو دوسرا کو مرد چو۔

اگر مولانا مودودی کے پس میں یہ بات ہوتی آئے تو وہ ہر حال میں جمہوریت کے خاست آمیز پانی کو مقتدر کر کے پاک و صاف سالیں تو قیناً وہ ایسا کرتے۔ لیکن وہ نجاگرد ہیں نہ مالک الملک۔ وہ جملہ عوام کو خشم زدن میں ایسا میں بین بناسکتے جو جمہوریت کے تصورات میں سے تمام فاسد و کاسدا جزا نکال چکتیں وہ جمہور ہیں کہ مشید تبلیزدی نے جیسے کچھ حالات سے ان کا پالاڑا لا ہے ان میں کم سے کتر خاست کا انتخاب کریں اور مخلوق خدا کو بھی کم درجے کی برائیوں پر رکنیں۔ اسلام بجائے خود جمہوریت پر ہنی ہے اس کی روح اور روزاج استبدادی نہیں۔ قانون و دستور کا رسمی طھا چکیسا ہی ہو مگر اس کی اسپرٹ قہر و جبر کی

ہو ٹھوں تک شرائی نے دیا جاتے تب تو یہ شورہ دیا جاسکتا تھا کہ عزمیت کی راہ اختیار کر کے دونوں ہی سے پہ ہیز کر وچھا ہے جن چل جاتے۔ لیکن جس طرح غیر جانبداری اور خوشی اختیار کرنے کی صورت میں ایوب خان کی صدارت امرا لازمی تھی، اسی طرح ان تخلیقات میں یہ لزوم ہے کہ ایک اللہ کا نہ کرنا اور ایک نہ ایک پانی پینا پڑے جا۔ خود نہیں کھاؤ یوگے وقت کا فولادی ہاڑہ زبردستی حل میں ٹھوٹنے کا۔ پھر کہو مونگات بھلی کا تیل پسند ہے یا زہر۔ چیل کوں کی بیٹ نوش جان کرتے ہو یا سگ و خنزیر کا برازو۔

اللہ کے رسول کیا فرماتے ہیں؟

مسئلہ کا ایک نہایت عبرناک اور حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ مس جناح کی حالفت میں تو نولانا اصلاحی وغیرہ کو حدیث رسول یاد آئی حالانکہ یہ حدیث ان کے موقف کے لئے دلیل مبین کا درجہ نہیں رکھنی لیکن ایوب خان پر حرف لانے والی ہر حدیث یادداشت کی لوح سے مرٹ گئی حالانکہ یہی احادیث پہنچری ہیں جو صریح طور پر ظالم و طاغی حکمرانوں کی شادیدگت پیش کیلیں۔ آئیے لیکوں نہونہ چند کی یاد تازہ کریں۔

عقل بن یسار رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول کا فرمودہ بیان کرتے ہیں کہ:-

مامنُ وَإِلَيْكَ سَأَعْيَسُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فِيمَا خَاتَ لَهُمُ الْأَحْرَمُ إِذْ عَلَيْهِ الْجِنَّةُ	جو شخص مسلمانوں پر حاکم بنا لیا گیا اور اس نے رعایا کے حقوق میں خات لہم الاحرام اذ علیہ الجنۃ۔
---	---

یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ جن جا ہے شرح کو اٹھا کر دیکھو۔ غاش نصر کا مفہوم و منشاء یہی بیان کیا گیا ہو گا کہ جو حاکم رعایا کے جائز حقوق میں کمزوری تریا ہے ان کے جائز مطالبات ٹھکرائیں۔ ان پر غیر متصفاتہ قانون نافذ کرتا ہے۔ انہیں ستائیں وہ خات ہے۔

سم اہل الصافے سے سوال کرتے ہیں کہ کیا ایوں حکیمت کے متعدد رسوائے زمانہ و قوائیں صریح قلم پر مشتمل نہیں کیا

ایک کی صدارت ناگزیر تھی تو خوشی اور غیر جانبداری کا صریح و قطعی مطلب اس کے سوا کچھ ہی نہیں سکتا تھا کہ بڑی براحتی کو گوار کیا گیا۔ الخاموشی نہ رضا تو یوں بھی جانیا پہچانا صحابہ ہے۔ تھربات مجاورے ہی تک محدود نہیں تھی۔ ایک الیسے صدر کو شکست دینے کے لئے جو امر ان طور پر ہماں وسائل و ذرائع پر قابل ہو ظاہر ہے بڑی زبردست قوت چاہیتے ایک طرف دس آدمی غیر مسلح طرفے ہیں اور دوسری طرف دو آدمی ٹھانی گنیں لئے ہوتے موجود ہیں تو عددی الکتریت کے باوجود ان دس کام مغلوب ہو جانا قدرتی امر ہے اس انگر ہزار آدمی ہیں تو غیر مسلح ہونے کے باوجود وہ قربانی دے کر ان دو گنوں والوں کو مغلوب کر سکتے ہیں۔

یہی صورت اس انتخاب کی بھی تھی۔ جیت اور اس پر موتوفت نہیں تھی کہ عوام کی آکیاں ایں فیصلہ تعداد مس جناح کو چاہتی ہے یا ایوب خان کو۔ تو میں ساطھ بھی مس جناح کے حامی ہیوں تو عددی الکتریت کا یہ تناء رسکھ ایوب خان کو ہر ہمیت دینے کا ضامن نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ایک خود پرست، جابر اور خیرہ سر اقتدار کے زیر سایہ مصنفانہ انتخاب کا تو سوال ہی خارج از بحث ہے۔ ابھی دنیادیکھ ہی چلی کشایا جہبور تیوں کے انتخاب میں فریب و جعل، دھانڈی، زبردستی اور عدل و شفی کا لیسانہ کارپوس ہوا۔ ایوب خان کو ہر ہمیت یا نیقیناً اس پر خصہ تھا کہ مس فاطمہ کے حامی غالب ترین الکتریت میں ہیوں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مس جناح کا حامی بنایا جاتے۔ ان حالات میں غیر جانبداری معنوی اعتبار کے ایوب خان کی حمایت کے مراد ف ہوتی۔ خاموشی کا مفہوم لازماً اور قطعاً یہ ہوتا کہ ہم دو بیانیوں میں سے بڑی براحتی کو کرسی لشیں دیکھا پسند کرتے ہیں۔ ہم چڑیا کی بیٹ اور سگ و خنزیر کے بول و برآز کو بیکار تصور کرتے ہوئے مخفہ کھوئے پڑے ہیں کہ جو نسا چاہیوں میں ڈال دوا۔

تخلیقات جو ہم نے پیش کیں ان ہیں بھی یہ بات ملحوظ رہے کہ دونوں سالتوں یادوں یا نیوں سے بچ کر نکلنے ممکن نہیں ہے۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ دونوں ہی سالتوں اور پانیوں کو

کما جامع نوع کی خیز خواہی ہی ہے کہ فقط صنعت و حرف وغیرہ کے شعبوں میں تو ملک کو آگے بڑھانے کی سعی کرو مگر دین و اخلاق کے رُخ پر کامل مادہ پرست بن جاؤ اور تمام حکماء وسائل کو عالمہ مسلمین کے اخلاق بگاڑانے اور دین کا حلیہ خراب کرنے میں صرف کر دو۔

اور سنئی۔ اللہ کے رسول نے فرمایا:-

منْ دُعَى بِدِعَوِ الْجَاهْلِيَّةِ | جس شخص کے لبیں پر جاہلیت کی
فَهُوَ مِنْ جَهْلِيَّةِ هُنْسَمَ | پکاراً بھری دہ دوزیوں کی جماعت
وَإِنْ سَمَاءَ وَصَلَى وَرَزَعَمَ | میں سے ہے چاہے روزہ رکھتا ہو
أَنَّهُ مُسْلِمٌ | احمد دعاؤں سے مسلمان بھٹا
تَوْمَدَى) | تھا۔

غیر سے کچھ بار ان طریقہ دبی زبان سے یہ ہڑدہ

بھی سنائے ہیں کہ صدر ایوب خان نماز پڑھتے ہیں! ۔ جملے آپ ہی سچے سہی لیکن یہ حدیث کو چکھ کہہ رہی ہے اسے صحی سنا؟ کیا خاندانی منصوبہ بندی کھلا دعوہ جاہلیت نہیں۔ کیا خود اصلاحی صاحب ایک سرکاری قیصر کے درمیں اس "پکار" کی قطعی طور پر جاہلیت کی پکار قرار نہیں دے سکتے ہیں۔ کیا اعمالی و ائمیں تو مسلکہ اور متقدم طور پر دعویٰ جاہلیت کے خاندان سے تھے ہی۔ یہ خاندانی منصوبہ بندی سند نماز پر اک اور تازیانہ ہوا۔

حضرت ابی سعیدؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:-

اتَّالْعَصْنَ النَّاسُ إِلَى اللَّهِ يُوْمَ الْقِيَامَةِ دَاشَدَ هُمْ عَذَابًا أَدْفَقَ سَرَاقِيَّةَ الْعَدَدُ هُمْ مِنْهَا مَجْلِسًا اَمَّا مَرْجَأُهُنَّ رَوْاْيَتِ مِنَ الْفَاطِحَةِ ہیں کہ وہ اللہ سے بہت دور ہو گا۔

ان صریح حکم احادیث کے بعد اگر تم حدیث ہی کی زبان میں یوں کہیں کہ مولانا اصلاحی اور ایوب خان کے دیگر قصیدہ مraudوں کو اپنے ایمان و اسلام کی خیر مسانی چاہئے تو بتائیے کیا غلط ہو گا۔ ملاحظہ ہو اللہ کے رسول فرمائے

عائقی و ائمیں کو جو و زندقتہ ارادینے میں سائے ہی علماء نے اتفاق نہیں کیا اور خود مولانا اصلاحی بھی اس دائرہ اتفاق سے باہر نہیں ہیں۔ وہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ قرآن و سنت کے خلاف متعدد دفعات پرشخیل یہ قانون ظلم و خیانت سے مکتر کسی نامہ کا تھت ہے۔ علاوہ اذیں کیا جماعت اسلامی کے جلسے کو بے اثر کرنے کے لئے لا ڈا ٹینکر والا عجوبہ تو روزہ کا لا ڈینیس ظلم و طفیلان سے الگ کوئی چیز ہے۔ پھر جماعت اسلامی کو خلاف قانون قرار دے کر اس کے چالیس سے زیادہ اعیان کو جیلوں میں ڈال دیتا۔ اتنا صریح ظلم تھا کہ خود پاکستان کی اعلیٰ ترین عدالتوں نے اسے عدل و دیانت کے خلاف قرار دے کر ایوبی حکومت کے ظلم و جبر کو تاریخی اور دستاویزی حیثیت دیدی۔

یہ مشتبہ نبودہ از خوارے ہے ورنہ اور بھی متعدد قوانین ایسے نافذ کئے گئے ہیں جنہیں الگ ظلم نہ مان جائے تو پھر لفظ ظلم کے کوئی معنے ہی یا تی نہیں رہتے۔ اس صورت میں مس جاخ کا طبق سے بڑا مخالفت بھی اپنے ایمان و ضمیر کو مکمل طور پر کچھ بغیر یہ نہیں کہہ سکتا کہ صدر ایوب خان ظالم حکمراؤں کی فہرست میں داخل نہیں ہیں۔ ظالم حرف ر غالباً ہی کے معاملات میں نہیں بلکہ اللہ اور رسول صریح معاملہ میں بھی عاملی قوانین تو سب جانتے ہیں کہ شریعت حق کے خلاف بغاوت کا مظہر ہیں۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ مس جاخ کا "غور پن" تو سینوں میں بھالاں کر جو حصہ رہا ہے مگر ظالم حکمراؤں کی حمایت کرتے ہوئے یہ یاد نہیں آتا کہ اس ارزش ترین حرکت تو عرش الہی بھی کا نیپ کا نیپ جاتا ہے۔

اللہ کے رسول صریح فرماتے ہیں:-

ما مِنْ عَبْدٍ لِيَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ نَعَنْ جَنَاحِهِ حَسْنٌ شَخْصٌ كُوْكُنِي بِزَرَادِ اللَّهُمَّ اسْعِنْهُ قَلْمَرْجُطَهَا عَطَافِرِي اور پھر اس نے ان لوگوں کے ساتھ جامع اور بنصیحةِ الْأَلْمَرْبِجَدِ ہمہ گیر خیر خواہی کارو ری اختیار نہیں کیا وہ جنت کی بوجھی نہیں سوکھ رکے گا۔

(بخاری وسلم)

♦ ♦ ♦

زید ایک ایسا شخص ہے جسے تم پہت بُرا سمجھتے ہو اور ان شیعہ کرتے ہو کو مستقبل میں وہ پوری نعمتِ فتن ہر جرم کا مرتكب ہو سکتا ہے۔ تاہم الجھی اس نے ان جرائم کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔ اس کے برعکس بُجھے ایک ایسا شخص ہے جو ان میں سے متعدد جرائم کا نزدیق مرتکب ہو چکا ہے بلکہ دنیا بھر کی فہماں اور احتجاج کے باوجود اپنے تردیدوں قائم رہنے کا تھیہ کئے ہوئے ہے تو بتاؤ جس صورت میں کشم پر ان دونوں میں سے ایک کی حمایت اور تنقیح لازم فرار پا جاتے کسے ترشیح دو گے۔ کسے کم برائی سمجھو گے؟ رات تھماری نظر میں کیسا ہی خطرناک سہی لیکن یہ بہر حال ممکن ہے کہ کل وہ حالات سے بخوبی کمر جرم کا ارادہ نہ کرے یا ارادہ کرے یا ارادہ کرے بھی تو گوناگون مذاہتیں اس کی راہ میں یو این کو ہٹھڑی ہو جائیں۔ فی الحال تو اسے دنیا اور دن کا کوئی قانون جرم فرار نہیں دے سکتا۔ اس کے برخلاف بُجھے تو جرم بن چکا اور اپنے کردار پر بصفت بھی ہے۔ بتاؤ کیا انہیں ایک ہی صفت میں رکھو گے۔ ایک ہی جیسا بد نہاد فرار دو گے؟ — اگر تھا اے بھیج کو دیکھ نہیں جاٹ گئی ہے تو لانا ایک ہی جواب دو گے کہ حمایت زید کی کرنی چاہیئے۔ وہ برائی مگر وعدہ تو کر رہا ہے کہ تھارا حکمراں بن جانے کے بعد برا فی نہیں کرے گا اور وعدے کے تیکھے چاہے اسکی نیت اچھی نہ ہو لیکن حکمراں کے ضابطے تو ایسے ہی بنانکا منصوبہ ہے جو کسی بھی فرد کی مطلق العنانی اور خود تھماری کی فہماں نہ جھوٹتے ہوں۔ بچھراہاں کی معقولیت ہے اس طرز عمل میں کوئی قدرتی نقصانات کے طور سے یقینی اور واقع نقصانات کو نہ صرف گوارا کرے رہو بلکہ ان کی بقا کے لئے خار و جہد بھی کرو۔ — مالکم کیف تحکمون۔

اس سوں تخلیٰ کی تاریخ اشاعت سر پر آگئی ہے ورنہ مولانا اصلاحی کی ایک ایک سطر کے بغیر ادھیر کرم دھلاتے کو تخلی کے علاقوں میں پیش کر دہ بھوک ہی بھوک اور بیت ہی ریت پیش کر رہے ہیں۔ خیر یار زندہ صحبت باقی۔

من مشتبی مع ظالمِ امر
کسی ظالم کی حمایت میں شقداری
کی کوہ ظالم ہے وہ یقیناً اسلام
الاسلام۔ سے خارج ہو گیا۔

مس جناح کے تقویٰ نواز اور زہر طراز خالقین جانتے ہیں کہ ابو بخار دنیاوی اور شرعی دونوں اعتبار سے ظالم ہیں پھر بھی وہ بڑھ کر صدرِ موصوف کو تعاون دیے رہے ہیں تو ہم اس پر کیا کہیں جب کہ اللہ کے صاحبِ مصطفیٰ رسول کا فرمودہ آپ سے مانند ہے۔ الحمد للہ جمیلی کی ولایات نقل کرنے کے عادی نہیں۔ یہ جتنی احادیث نقل کی گئی ہیں بلا اختلاف روایات صحیح معتبرہ میں داخل ہیں اور ان کی نہ سے وہ لوگ بچکر نہیں جا سکتے جھسوں نے علم حدیث رکھتے ہیں بھی فرمودات پیغمبر کا الحافظ نہیں کیا اور صرف ایک روایت لے اٹھے جوان کی خواہشات کے مطابق نظر آتی۔ اسے آفتُهُ میتوں پیغامِ الکتاب تکفرون بعض نہیں کہیں گے تو آخر کے کہیں گے!

پچھے یہ کوئی لیتے ہیں کہ مس جناح بھی صدر بن جانے کی صورت میں اسلام کے لئے مفید ثابت نہ ہوں لیکن یہ فقط ایک تھڑے ہی تو ہے امر واقع تو نہیں کسی بھی درجے میں سہی امکان بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کے ذریعہ آتی ہوئی جمیوریت میں اسلام کو فائدہ پہنچ سکتا ہے ہو ممکنا ہے ایسے افراد کی سیاسی غلبہ حاصل ہو جائے جو کم سے کم عالمی قوانین حیسے اسلام سیز و قانین کو تو مسوخ کرای دیں۔

اس کے برخلاف ایوں حکومت کا کردار عمل ایک امر واقع ہے۔ ابو بخار اُن افعال کے مرتكب ہے پچھے ہیں جنہیں اصلاحی صاحب بھی غیر اصلاحی ہی تسلیم فرماتے ہیں تو کہا کوئی داشمن کہہ سکتا ہے کہ وہ عورت جس سے آئندہ جرائم کا خطرہ ہے اور وہ مرد جو جرم کا ارتکاب کر جاکے ہے یکساں طور پر برے اور قابلِ نہست ہیں؟ مثلاً یوں سمجھو کہ



بھی ہال۔ اذون ریاست خاص بروپی اجسنا
حات بخش جوی بخوبی نباتات بیش ناکہ رہتے ہیں
تذمیر کے سس بھر میرا زمان سے تیکی
دلوں سے تیار کیا ماں خاص خاص خون بخ
دیا کاہے۔ اسی کے احتیاط سے حات اور
خون غسل کر لائیں۔ اسی پر اور جسم فولادی
نامہ کو دینے والے میں سے کوئی کوئی کوئی

دو اخوان طبیبین حیدر احمدی

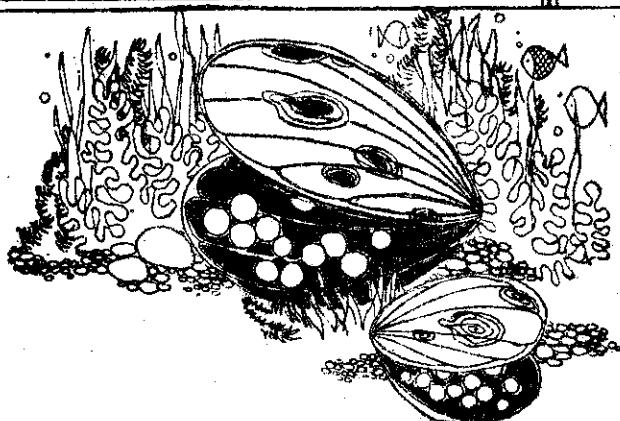
پانچ دیدہ زیر بزنگوں میں
مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ
کا حسین و نظر نواز عکس
حدائقی کیلندر ۱۹۷۵ء

سنہ بھری۔ سنہ عیسوی میں انگریزی تاریخ
اور اردو کی تاریخیں بہت واضح طور پر ساختہ ہی
ہیں۔ قیمت عام ۳۰ روپیے۔ ڈاک خرچ دس روپیے
ایک علاطہ کرنے والے ۱۰ روپیے کے ڈاک ملکہ ہیجیں۔
ایک بھٹ حضرات اور تاجر ان کتب کو معقول
لکھن دیا جاتے ہیں۔ خط و کتابت سے
ٹفرماتیں۔

ملنے کا پتہ۔ نیجر کی تباہی اعرازیہ دیوبند (دیپ)

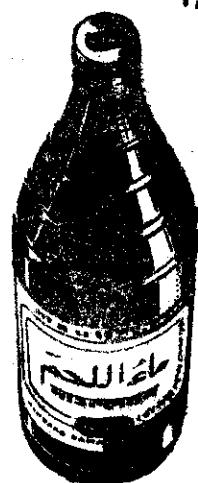
جاروں کے لیے بے بہاٹاںک

ہندو کا
ماں الک



ہندو کا الکم ان طاقت بخش اور صحت بخش اشیا کے جوہروں کا مجموعہ ہے
جن سے قدرت المال پر ہندو کا الکم ان قدیم باریوں کے خارج پر منی ہے جو
صحت امنا و رہا مارکھ کے قدیم اسرائیلیہ واقع تھے۔ الکم طاقت کا ایک
زبردست خواہ ہے اور بڑی تیزی سے ٹوت اور قوانینی کو بجال کر دیتا ہے

تندور دہلی ، کانپور ، پٹنہ



مولانا مودودی

جاہل ہیں۔ بد دماغ ہیں۔ انکا تفہیقہ ہدہ سے بھی گیا گذر اے۔

یہ آج کے مولانا اہمین احسان صلاحی نے فرمایا ہے

لیں کن کل کیا کہا تھا!

کے "دورہ پر اکتفا نہیں فرمایا ہے۔ اسی طرح نقہ، اصول، سیرت اور رجال کی تمام ضروری کتابیں ان کی نگاہوں سے گزرا ہوئی ہیں۔ ان کے مطالعہ کا طریقہ بھی محققانہ ہے۔ میں ۲۰ ماہ ان کے ساتھ جیل میں رہا ہوں اور میں نے نہایت قریب سے ان کو نیچا ہے کہ وہ کس طرح کی چیزوں پر مشتمل ہیں کس طریقہ پر تھے ہیں اور کس قدر پڑھتے ہیں۔ انہوں نے صرف جیل کے قیام کے دوران میں عام علوم و فنون کے سوا قصیر حدیث، نقہ، سیرت اور رجال کی اتنی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے کہ میں پورے اٹھناں کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو حضرات ان کے مطالعہ کتاب و سندت پر یاد رکھتے ہیں ان کو شاید ملة پرماں یا نداز استخفاف تبصرہ فرماتے ہیں اسی کو شاید ملة پرماں اتنی کتابیں پڑھنے کی سعادت تھیں عامل ہوئی ہوگی میں نے جب کبھی ان کی کوئی پڑھائی ہوئی کتاب کسی ضرورت کے لئے اٹھائی تو حدیث اور فہرست کی ہوئی ہوئی کتابوں پر بھی دیکھا ہے کہ ان کے تمام اہم یا قابلی

مولانا مودودی کا علم و مطالعہ مدرسی اور خانقاہی حلقوں میں اکثر زیر بحث رہا ہے اور میں نے ہمیشہ محسوس کیا ہے کہ اس معاملہ میں لوگوں کا غرور علم اکثر اعتراف حق پر غالباً آیا ہے میں یہ تو نہیں جانتا کہ مودودی صاحب نے کہاں پڑھا ہے اور کیا پڑھا ہے، لیکن میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ نہایت ذہین آدمی ہیں نہایت قابل آدمی ہیں، اور نہایت وسیع النظر عالم ہیں۔ ان کا مرتبہ صرف اس پہلو ہی سے اوپر جانبیں ہے کہ وہ جدید علوم و افتکار پر نہایت وسیع نگاہ رکھتے ہیں، اور ایک بلند پایہ انسا پر رہا ہیں بلکہ ان کی اصلی خوبی یہ ہے کہ وہ کتاب و سندت پر نہایت تکمیلی اور وسیع نظر رکھتے ہیں۔ قرآن کا انہوں نے ایک اسکالر کی طرح مطالعہ کیا ہے اور مرا اس پر بتا۔ مگر کرتے رہتے ہیں صرف بیضاء و اور جلالیں "یقدرنصاب" پڑھ کر فسر نہیں بن سکتے ہیں۔ انہوں نے حدیث کی تمام مستدر کتابوں کو حرف حرفاً نہایت غور و فکر کے ساتھ پڑھا ہے صرف ان

طرح پیچے نہیں ہیں۔ پھر کام کو وہ جس ذمہ داری کے ساتھ کرتے ہیں اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی تقاضہ بھی اسوقت تک کرنا پسند نہیں کرتے جب تک اس کے لئے ابھی طرح تیاری نہ کریں — اگر ایک ایسے شخص پر بھی کتاب و سنت کے کے علوم کے بارے میں ہم اعتماد نہیں کر سکتے تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ کتاب و سنت کے علم کے بارے میں اس تک میر کس شخص پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

تلقید مقامات پر حاشیہ میں خود ان کے قلم سے منفرد نوٹ موجود ہیں۔ وہ عربی زبان کو عالمانہ طور پر سمجھتے ہیں، حافظ اللیلیوں کی طرح ہوانی تیرستکے نہیں چلاتے جیل کے دوران قیام میں سمجھے بعض اوقات عربی کی بعض مشکل یا غلطی چھپی ہوئی عبارتوں کے بارے میں اُنکے مشوروں سے فائدہ اٹھائے کاموں قع ملا ہے اور یہ ہر مرتبہ یہ محسوس کیا کہ وہ عبارت کا تجزیہ کرتے اور کلام کی تجویز تالیفات سمجھنے میں درسی مولویوں سے کسی

درستہ سوم مکمل

جماعت اسلامی ہند کے محترم امیرمولنا
ابواللیث مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں۔

مرلیف انہوں کیلئے صحت
اور صحمند انہوں بنیانی کی حفا

ایک تولہ پا رخ روپے — چھ ماشہ تین روپے
ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ

کوئی سی بھی تین ہشی کیجا طلب کرنے پر ڈاک خرچ
معاف

طلب کرنے پر خالص حقیقتی کیمانی مسلمانی بھی ساخت
بھیجی جاتی ہے — جس کی
قیمت صرف ۱۲ آنٹے پیسے ہے

”میں سرہر درستہ جمعت کو ابھی پابندی سے تو
استعمال نہیں کر سکا ہوں لیکن چند ہی روز کے
استعمال سے الحمد للہ کافی مفید یا۔۔۔ مچھے پوری
امید ہے کہ اس کو پابندی سے استعمال کر سکی
صورت میں انشاء اللہ وہ جلد فوائد حاصل ہوں
جن کا اعلان اس کو فروخت کرنے والے کرتے
رہتے ہیں۔۔۔“

”میری طرز سے اس کا نام آنہوں کا
بہترین دوست رکھئے۔۔۔“

”دستخط (مولنا) ابواللیث (امیر جما اسلامی ہند)

دار الفیض رحمانی۔ دیوبند (یونیورسٹی)

فساد برداشت بھی اتر نہیں پڑا جتنا کسی پہلے ان کے رمل کے پیچے طک جانے سے دل کی رفتار پڑتا ہے۔ یا جتنا کسی بچے کی تھیو کمر سے پہاڑ پر پڑ سکتا ہے۔

کھائے ہماری بلا سے لیکن جب وہ یہ زبانہ رازی بھی کرے گا کہ اس فریب میں نہ آئے دا لے مسلمان کافر ہیں تو ہم اس یا وہ کوئی کو گیڈڑوں کے شور و غوغاء سے تشبیہ دیں گے۔

آخری دوستان بات ہم ہدودی حضرات سے یہی کہہ سکتے ہیں کہ جن روایات کو انھیوں نے سادہ لوحی سے "حدیث" بھج رکھا ہے وہ ان ہی پڑھنے دل دماغ سے غور کر کے دیکھ لیں کہ سید محمد جنپوری کو ہدیدی موعود ماننے کی کوئی دلیل ان سے ملتی ہے یا وہ صریح تر دیکھنے والی ہیں۔ حضرت ہو صوف کو نیز رُگ مانو۔ ولی اور قطب سمجھو۔ اللہ کا برگزیدہ بنتہ ذرا درد۔ سب رو۔ ہم بھی تھاںے ہمہوا ہیں۔ لیکن ہدیدی موعود ماننے کی تابعی میں بتا دلت ہو۔ آخر الفراف تو کرو الیکر و میر اپنی تمام تر عظمتوں کے باوجود بندی تو ہمیں کہلاۓ جاسکتے۔ اسی طرح حضرت جنپوری اپنی معروف صفاتیت کے باوجود ہدیدی موعود کیسے کہے جا سکتے ہیں جبکہ روپے میں دو آنے بھی ان کے اندر علامات ہدیدی نہیں پائی جاتیں۔ اللہ ہمیں اور تھیں صراط مستقیم پر ہوتے دے اور آخرت کے خارے سے بچائے۔

سلسلہ نقہ

پاکستان کا صارقی انتخاب ۲ جنپوری کو ہے۔ یہ شمارہ جس وقت آپ کے ہاتھ میں پہنچ گا فیصلہ کوئی دن گزر جکے ہوں گے۔ ظاہر ہے یہ تو سوال ہی پیش نہیں ہوتا کہ ہماری ان تنقیقات کا ما جا گلے صفات میں آپ دیکھیں گے انتخاب کے نتیجے پر اثر انداز ہونا ہو پھر آخر یوں ہم ایسے پورے تخلیٰ کو بھرے دے رہے ہیں جو "مشتبہ یا ارجمنگ" کاملاً اپنی کہا جا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پاکستان کے صارقی انتخاب میں فسائع کوئی بھی ہواؤں یا ہی اور غلط در غلط اختراضات کا عادلاتہ دفعہ ضرور ہونا چاہئے جو اس انتخاب کی آڑ میں جماعت اسلامی پر عائد کئے گئے ہیں میں جنما کی باہر جیت اگلست میں اور جماعت اسلامی کا کرو دارالگ۔ ہم ان لوگوں میں نہیں جو چڑھتے سورج کی پوچھا کرتے ہیں۔ ہم حق کے ساتھی ہیں۔ حق سرخہ ہو تو ہمارے لئے ہمارا احساس

یہ ہم نے صرف ایک روایت کے تعلق سے لفٹنگ کی اور بھی روایات صریحاً ایسی ہیں کہ جن سے قطعی طور پر واضح ہوتا ہے کہ ہدیدی موعود کا ظہور ابھی بہت دور ہے، لیکن جن ہدیدی حضرات اگر اپنے عقیدے پر بندی ہیں تو ہمیں ان کی تردید سے کوئی لمحہ بھی نہیں۔ وہ شوق سے بچے چاہئے ہدیدی نہیں۔ لیکن جب بھی کوئی شخص یہ لغو گوئی کرے گا کہ سید محمد جنپوری کو ہدیدی موعود نہ ماننے والے کا فائز ہم پڑھ کر بھی نہیں کہ اس کی بجواس کسی اعتنا کے لائق نہیں۔ کتابخانیں کاملاً اور بھونکتی ہے تو طکر کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ شووت و فاداری بھی دیتا ہے لیکن جو لوگ اپنے ملجم بھر ہم مسلکوں کے سوسائٹی دنیا کے مسلمانوں کو ہم بھیجتے کارادہ رکھتے ہوں وہ ہر خوبی سے خالی ہیں۔ انھیں ہم سے معافی کا مطالبہ کرنے کے عوض خود اپنے انجام سے ڈرنا چاہئے۔

غمیب تماشا ہے۔ دسیوں خطوں میں بطور فہماش قرآن کی وہ آیات نقل کی گئی ہیں جن سے سبق ملتا ہے کہ دوسری قوموں کے بزرگوں کو گالیاں مت دد۔ ہم کہتے ہیں ہدیدی حضرات دوسری قوم کہب ہیں۔ وہ تو مسلمان ہی ہیں۔ اور سید محمد جنپوری تھا ان کے بزرگ یونکر ہیں وہ تو ہمارے بھی بزرگ ہیں۔ ہم عرض ہی کرچکے کہ معتبر من فیہ جواب لکھتے وقت ہمیں سان گمان بھی نہیں تھا کہ سید محمد جنپوری سے مراد یا نسو برس قبل کے سید خباب ہیں۔ تاہم گالی تو ہم نے پھر بھی نسی کو نہیں دی۔ ہمارا جواب پھر مظہو۔ اس میں صرف اصولی پابندی ہیں۔ معافی کسی اور الفاظ کی داپسی پر معنی دارد۔ تلوار کی نوک اور پھاتنسی کے چند رے پر بھی ہم یہی کہیں گے کہ مرازا غلام احمد قادریانی کا دعویٰ نبوت ہو یا سید محمد جنپوری کا دعویٰ ہدیدیت۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں متاع فاسد و کاسد سے زیادہ کوئی ثابت نہیں رکھتا۔ اس کا فریب جس کا جی چاہے

جس کا ناظر اخنوں نے تاریخ کے چھوٹکوں سے صحابہ خوان اللہ علیم
کی سادہ زنگوں میں لیا ہے۔

مولانا اصلاحی نے ابھی تازہ میثاق میں اعلان فرمایا کہ
اُنہوں نے ہم جماعتِ اسلامی کے سارے فکر و فلسفہ کا حائزہ لیتے
والے ہیں۔ تو حق ہے کہ الجمیعت حصے اخبارات و سائل مولانا اصلاحی
کے رشحات کو اُنہوں نے بھی شکر پائے تھے کرتقلم کرنے کا سلسلہ جاری
رکھیں گے۔ لہذا ناظرین تخلی سن لیں کہ تخلی کے ساتھ صفات
کو ایک ہی بحث کی تحریر کر دینے کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا، جب
ضرورت ہوئیں ہو گئی ہم جماعتِ اسلامی کے دفاع کے سلسلہ کو
ہر دو حصے مسلسلہ پر ترجیح دیں گے۔ کیونکہ یہ سلسلہ عمومی نہیں
بنیادی اور اہم ترین ہے۔ یہ ایک ایسا مسلسلہ ہے جس کے
اپنے کے طنز و غن، غیروں کے بڑے تبور، بیڑیاں، طوف سلاسل
اور قید و سنت نو کیا سرکشا نا بھی اللہ اور رسول کی محبت کا عین
تفاصیا اور دین و شریعت کا روشن سبق ہے۔ جو لوگ اسکی
اہمیت کا احساس نہیں رکھتے وہ ہمارے اس کرب ہفڑا
اور درد خلش کا اندازہ نہیں کی سکتے جو ہمارے قلب فریض پرستی
ہے۔ دین حق کی راہ میں ٹھہر بارہ ماں و مناں اور حبیم و جاں کی
قریبی دیکھتی ہے کہ نہ اکار خوان اللہ علیہم بازی مارے گئے
ہم ان کے غلاموں کے غلاموں کے غلام فلم سے بھی خوبیت حق
نہ کے سلکیں تو ہم سے بڑا بہبخت اور دیاں کارکوئی نہیں۔ لوگوں!
موت بہت قریب ہے۔ یہ دنیا اپنی تمام تر منگاہہ آئنیں ہمیت
یہیں رہ جانے والی ہے۔ تے والی میں کچھ کام نہیں آئے گا
زمال و ثروت، زر قوم و وطن، زندگی ساختہ تصوف اور طیزاد
طريقت، زمان باپ، زمرشد ایسا ستاد، زنجیرہ و دستار،
ز حسب نسب — کام اگئے گا تو نقیع جس کو ایسا
اور خود صداقت کی طاقت میں صرف ہونے والی ساعتیں۔
جو لوگ کبھی بھی شکایت کرنے لگتے ہیں کہ تخلی کا ہے
ماہے ایک ہی موضوع میں عرقاب ہو کر وہ جاتا ہے جس سے
بیویت پیا ہے تو حق ہے تو وہ سن لیں کہ ہمارے سامنے ایک
مقصد ہے، ایک شعیۃ مذل ہے۔ ایک کا زاد اور نصب العین
ہے۔ اس کی قیمت پھر اپنی حقیر ننگی کا ایک ایک لمحہ شرخت

شکر و مسروت ہی سب سے قبیل عقیمت ہے اور حق میں ان
کا رزاریں شکست کھا جائے تو ہم خوشی سے منظور کریں گے کہ
ہمیں بھی مجاہدوں کی لاشوں کے ساتھ دفن کر دو۔ مس ناطہ
جیت سکیں گی۔ یہ توف ہمیں بیس فیصہ سے زیادہ نہیں رہی
ہمیں تحریر ہے کہ اقتدار کے مالک کیسے شعبے دھلاکتے
ہیں۔ مجھے ذہنی ہو گا اگر کیا ناک ایام عمرت سے ہر مرد
پہلوان ہار جائے جو گول بارو دا مرال و دولت کے خزانے بھی
ساتھ لئے چل رہا ہے۔
لیکن ہمارا مقصود تو ان کے فہموں اور کم سیادوں کا توڑ
کرتا ہے جو جماعتِ اسلامی کے سلسلہ میں اپنا تاریک دلاغ خلق خدا
کے داغوں میں آتا رہا چاہتے ہیں۔ جو جاہتے ہیں کہ الحادہ زندقہ
کے گھٹاؤ پے ان صیاروں میں تمثیل اتا ہوا یہ واحی چڑھی گل
ہو جائے جس کے وجود سے کم سے کم یہ احساس و شعور تو زندگی
ہے کہ حض تاریکی، اس دنیا کی واحی حقیقت نہیں بلکہ ایک
چیز رoshni بھی ہے جو سمٹ کتھی ہی جائے مگر فناۓ کامل
سمیع قول نہیں کرے گی۔

خیر سے الجمیعت نے بھی مولانا اصلاحی کا وہ شہزادہ تقلیل
کیا ہے جس پر آئے آپ پر صدر ملاحظہ رکایت گے۔ چند چوری
سے جائے مگر ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ جمیعت العلماء کے
اعیان نے اب تک اعتراضات و اتهامات کے جتنے ہوائی
قلعے بنائے تھے وہ تو علم ترقی کے جھوٹکوں میں کبھی کسے زمیں بو
ہو چکے، اب سہارا لیا جا رہا ہے مولانا اصلاحی جیسے فراری
ذہنیت کے فقہار کا، ہم بھاگ مر نہیں ہیں۔ یہ بیک وقت
ہے کہ امیر ہے مقلدین اور تھوف گزیرہ سادہ لوگوں کے
دماغوں سے جھوٹ تھبی اور ہے بنیاد بغرض کی کیس زکالتا
ہمارے دلائل کے بس کاروگ نہیں سیکن کم و بیش بیش ہزار
اور بعض حالتوں میں اس سکھیں زیادہ انسانوں تک اپنی
آواز پہنچانا ہمارے بس میں ضرور ہے۔ یہ انسان ہم کے
مرید نہیں دلائل کے مردیا ہیں۔ جنتیہ و دستار کے امیر نہیں حق و
صداقت کے گردیا ہیں۔ العاقب و آداب کے فریب خورد
نہیں اس حقیقت تقوی اور دروح نہاد و تعبیر کے شیدرا فی ہیں

بھی نہ کر سکیں جن کی یادداشت اب تک ہمارے وجد میں
کو حفظ رکھے ہوئے ہیں۔

الغرض گوناگوں وجہ سے اسی تجویز پر صادیجہ
کے اکابر پرچہ "تفقیہ نبیر" ہو کا جو انشار اللہ مارچ ۱۹۷۸ کے
پہلے ہفتہ میں سپرد ڈاک کیا جائے گا۔ وَلِلّهِ عَاقِبَةٌ
الْمُوسُ وَهُوَ الْمُسْتَعْنٌ

کر سکے ہیں۔ ہمارا قلم ہمارا نہیں۔ ہمارا وقت ہمارا نہیں۔ ہم سے
ترقبہ مدت رکھو کر دچھپی اور تنوع قائم رکھنے کی خاطر ہم
شیطان گزیا ہے اہل قلم کی حق و شمن اور جارحانہ تحریر و تقریب
کے ردہ ایطال میں تسلیم برتنیں گے۔ ہمیں اپنے کام سے کام
ہے۔ سمجھ میں آئے تخلی پڑھو، سمجھ میں نہ آئے تو کوئی اور زیارت
سار سال دھوٹا لے۔

اکلا شمارہ

عبدۃ الطالبین ترجم مع فتوح القیب

ام عظیم المرتبہ بزرگ۔ شاہ عبدالقاد جیلانی
کے خود اپنے فرمودات۔ جسے بدبخت اور کوئی فکر بگوں نے
بُت بنالیا۔

سلیں اردو ترجیہ اور ساتھ ساتھ اصل عربی بھی۔ تقریباً
ڈیڑھ ترا صفحات کی دو صفحیں جلوں۔ جو ۲۳ بیس روپے
در جملہ تینیں روپے۔

فتاویٰ عبدی مولانا عبدالحق الحصینی کے فتاویٰ کا
مجلد پہنچ روپے۔

ریاض الصالحین یا امام نووی کی مشہور کتابی
عربی سے ترجیہ۔ عربی بھی ساتھ
ساتھ ہے۔ ۳۲۲ آیات اور ۱۸۹۱ حدیث کامیقی ذخیرہ
کامل دو جلوں میں تینیں روپے۔

تاریخ الاسلام کامل | موروث اسلام مولانا اکبر
تاریخ تینیں صفحیں جلوں میں۔ مجلہ ۳۹ روپے۔

امداد | دنیا کی مسلمان عربی دکشنری اردو ترجیہ کے ساتھ
محلہ تینیں روپے۔

مکتبہ تخلی دیوبند

رمضان آگیا ہے۔ صاف نظر ارمہا ہے کہ اکلا پرچہ
ہم وقت پر نہ لاسکیں گے۔ کوئی پروانہ نہیں۔ ہمیں معلوم ہے
کہ گھاہے گلہے کی یک ماہی تعطیل آپ کو خفا تو گرفتی ہے مسکر
آپ کی آتش شوق کیسر نہیں کرتی۔ آپ کا قلبی تعلق تخلی کو
مثالی ہے جو کم پرچوں کے نصیب میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
برکت دے۔ مناسب یہی ہو گا کہ صحیح تان کر فروی کا پرچہ
لانے کے عوض ہم فروی اور مارچ کا مشترکہ شمارہ ایک ساتھ
لائیں۔ یہ شمارہ "تفقیہ نبیر" کی حیثیت رکھے گا۔ آپ کو شاید
خبر نہ ہو مادریہ مولانا ناسیع احمد اکبر آبادی نے پھر ایک
اداری پسپردیہ میں فرمایا ہے جو ان کے پہلے اداریہ کی بخشیدت
متین بھی ہے اور عالمانہ بھی اس کے لئے وہ جسم سے ہیں
خوشی ہوتی۔ اس کا سجیدہ تحریر کر کے ہمیں یہ بتالے ہے کہ
خوشنا اسلوب کے سچے انخوں نے مطالبہ معانی اب
بھی ایسے ہی پیش فرمائے ہیں جو علم و فقاہت اور عدل و
فراست کے امین نہیں۔

اس کے علاوہ مولانا دریا بادی نے بھی پرے درمندانہ
انداز میں ایک مقالہ "المہدیہ پاکستان" زیب صدق
فرمایا ہے، یہ ان کے خلوص اور حسن نیت کے باوجود اس نہ ہلہ
سانپ کی مانن۔ ہبھی جس کی کچھی بہت یہ حسن ہو۔ اس پر
ہم نے "المہدیہ اسلام" نہ کھانا تو کچھی بھی نہ لکھا۔

پھر یادش بخیر و حبی الدین خاں کی "تفسیر علسطی"
کا فرض بھی ہم پر چل رہا ہے۔ اسے اتارے بغیر مر گئے تو
بعید نہیں کہ وہ احباب ہمارے لئے دعائے مغفرت

چند دو ماہی سلسلے

فتاویٰ عالمگیری [بعض حادث کی بناء پر فتاویٰ تا خیر ہو گئی مگر اب انشاء اللہ ایسا نہ ہو گا۔ تیسری قسط آگئی ہے اور ہر دوسرے چینی الگی قسط آتی رہے گی۔ فیض مہبیری ایک روپیہ نی قسط سوا دروپے۔ ڈاک خرچ معاف۔ **تفصیر ابن حیثم** [اس عظیم تفسیر کے ۲۸ پارے دار و مشرح کے ساتھ] چھپ چکے ہیں۔ فی قسط دور و پے۔ فیض مہبیری ایک روپیہ۔ مہبوروں کو ڈاک خرچ معاف۔

[کم تعلیم یا فقر مددوں اور اُردوداں عورتوں دلرس قرآن] اور لڑکیوں کے لئے قرآن کو بخشنے کا ایک ذریں موقع۔ یہ مفید ترین سلسلہ دو ماہی قسطوں میں جاری ہے۔ اب تک چھ قسطیں چھپ چکی ہیں۔ فی قسط دور و پیہ۔ فیض مہبیری پیشہ کے لئے صرف ایک روپیہ۔ مہبیری نہیں ہوئے جو لوگ یہ چھ قسطوں کا سیدرط منٹھائیں گے انھیں بجا سے بارہ کے دس روپے میں دیا جائے گا اور ڈاک خرچ بھی معاف۔ اس کے بعد ہر دوسرے چینیں ہر قسط ڈاک خرچ معاف کرتے ہوتے ہیں دو روپے میں پیش کی جاتی رہے گی۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی سب معياری۔

"تکمیل الایمان" کا سلیس اُرد و ترجمہ۔ مجلد سو اتنیں روپے۔ **ریاض الصالحین مکمل** [۱۸۹۱ء آیات اور ۳۲۳] احادیث کا مترجم جمیوعہ۔ دو جلدوں میں۔ قیمت میں روپے۔

حجۃ اللہ البالغہ مکمل مترجم (شاہ ولی اللہ) بیس روپے۔ شریعت اور طریقت (مولانا شرف علی) سات روپے۔ آثار امام شافعی اُرد و ترجمہ (استاذ ابو زہرہ) باڑھ روپے۔ آثار امام مالک " " " " " دن روپے۔ فاران کا توحید نہیں (یعنیت و شرک کا زبردست روپ) ساڑھ پانچ روپے۔ سوانح خواجہ معین الدین ششتی اجمیری ساڑھ چار روپے۔ قرآن اور حدیث (مولانا محمد عویضی) ڈیڑھ روپیہ کیا ہم مسلمان ہیں؟ (شمس نوریہ عثمانی) سوا دروپے۔ عورت کیا کچھ کر سکتی ہے (خدیجہ فوزیہ عثمانی) سواروپے۔ فروع کی ریاہ حصلہ ول و دوم (منور بسطامی) پونچھ روپے۔ اسلامی زندگی (نصر اللہ خاں عزیزی) ڈھائی روپے۔ خدا کا انکسار کیوں؟ ۳۲ پیسے۔ ہندو مت اور توحید ۸۰ پیسے۔

مفهوم القرآن پارہ الکمر [لیچھ پارہ عمر کے بعد منتظم پارہ الکمر ہی اپنے معروف صوری و معنوی حسن و جمال کے ساتھ۔ ہدیہ یہ وہی تین روپے۔

معراج المونین [قرآن و حدیث کی روشنی میں نماز کے معارف پر روحانی بصائر مفصل جمیوعہ۔ قیمت دو روپے۔

رکعات تراویح [تراویح کی تعداد اور اس سے متعلق اختلافی امور پر مولانا حبیب الرحمن العظمی کی نفیس کتاب۔ ڈیڑھ روپیہ۔

محمدیہ پاکٹ بک [رد قادریانیت میں ایک ضخیم اور سیر حائل کتاب۔ صفحات ۵۵۔ قیمت مجلد آٹھ روپے۔

فلسفۃ دعا [دعا کے مرضیوں پر اپنی نوع کی واحد کتاب۔ نفیتی، روحانی، اخلاقی اور منطقی تجزیہ۔

قیمت مجلد چار روپے۔ **ایمان کیا ہے؟** [حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی

مسکد سے یہ سماں تک

لقریباً جھوڑلا قیں رہے کہ کہنے لگے کہ شیطان کی بھی اگر اب کی ایسی غلطی کی تو ایک ہزار جوتے ماروں گا اور ہر جوتے پر سو طلاقیں دوں گا۔

”سو طلاقیں!“ میری الہیہ صوفی صاحب کی الہیہ کا بیان سنکر فرط حیرت سے بولی تھی۔ ”خدا سے ڈروہ ہیں پانچ میاں پر طوفان جوڑتے ہو۔“

”ہائے بہنا طوفان کون غارت گیا جوڑتا ہے صاحب پیاکی مار ہو جو میں جھوٹ بول رہی ہوں۔“

”پھر جھوڑلا قوں کے بعد بھی تم سہاگن ہی ہوا!“

”اور نہیں تو کیا اس کم طرف کی ہیکڑی چلنے دوں گی کیا۔ اے اس نے دس گھالئیں دی تھیں تو میں نے بھی میں دی تھیں اس نے چھٹلائیں دیں تو میں نے پارہ دیں۔ اور نہیں تو کیا۔“

میری بیوی دم خود رہ گئی تھی۔

القصہ صوفی نہیں علم الدین اور معاروف وہیں جواب۔

نہیں رکھتے ان سے کچھ زیادہ کسب نہیں کی سعادت تو مجھے فیض نہیں ہو سکی ہے مگر کہا ہے گاہے کی محبت سے اتنا فیض ضرور پہنچا ہے کہ دل جاری ہو گیا ہے۔ روح پر ہر آٹھویں دسویں ایک نورانی غبار سامن جانب آسمان اُترتا ہے اور لاہوت ناسوت کے سفری صدری اسرار قلب پر نزول کرتے ہیں تھیں فی صدری کے لئے ہیں صوفی نہیں سے شکایت کی تو معنی خیز تہسم کے ساختہ نہیں لگے کہ برخودار اجیب ڈھیلی کرد بغیر نذر دنیا کے سو فیصدی کی منزل کہاں پا سکتے ہو۔

میں نے جیب کا جائزہ لیا تو ہاں صرف دُروپے

صوفی نہیں ویسے تو گلستان پستان ناک ہی پڑھے ہوئے ہیں مگر ہیں بہت بڑے عالم۔ ان کا علم کتابوں کا مریہ احسان نہیں براہ راست عرش وکری سے مستفاد ہے۔ کیونکہ مستفاد ہے۔ اس کا علم و اور اس مجھ جسے کم سوام کو نہیں ہو سکتا۔ البتہ جمالاً اتنا معلوم ہے کہ عرصہ ہو ایک مرتبہ وہ شاہ او لا جنح انشتادی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مرزا شریف پرسکے بل کھڑے ہو کر کوئی ایسا وظیفہ پڑھتے رہے تھے جو انھیں پلیر شریف کے عرصے میں پناکی مشتری میکم کی وسیطت سے مشکل نام جھیا ہو سکا تھا۔ سرکے بل کھڑے ہو کر پڑھنے کے علاوہ اس کی ایک شرط غالباً یہ بھی تھی کہ تین کیلے کی پچیس اسی حالت میں کھائی جاتیں۔ اب ظاہر ہے سرکے بل کھڑے رہنے کے لئے دو یون ہاتھوں کا زین پر جسے رہنا ضروری تھا پھر کیلائیں چھیلتے۔ جبوراً اٹھوں نے اپنی الہیہ صاحبہ سے مدد لی تھی۔

یہ واقعہ مجھم فیض کو دیکھنے کی سعادت نہیں ہے نہیں بلکہ صوفی صاحب کی الہیہ صاحبہ نے ناچیز کی الہیہ سے بیان کیا تھا اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ وظیفے کے دوران صوفی صاحب تھوڑے تھوڑے وقتوں سے سانپ کی طرح چنکارتے بھی تھے اور نعرے بھی لگاتے جاتے تھے کہ لے کے ہٹلوں گا۔ لیکے رہوں گا۔

ان کی الہیہ صاحبہ ہی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کیلے کی چھپی غلطی سے ان کے منھ کی جاتے ناک میں دل گئی۔ پس پھر نہ پوچھوڑ پڑا کے الٹ ہی تو گئے اور مغلاظ گالیوں کے ساتھ

دانادبار لاہور میں مزار اقدس پر حاضر ہوئے تھے، اور وہاں اخبوں نے راقب کیا اور اس امر کا شارہ چاہا کہ متحده حزب اختلاف اور صدر الولی کے درمیان جو صدارتی مقابلہ ہو رہا ہے اس میں داتا صاحب کی کیا رک्त ہے؟ پیر حمد، دیوال شریف نے بتایا کہ مر اقبے کے دور ان ہمیں داتا گنج بخش کی بشارت ہوئی اور داتا گنج بخش نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر رحمت کے دروازے بند کر دیئے ہیں جنہوں نے ایک عورت کی اپنا قائد تسلیم کر لیا ہے۔ پیر صاحب نے کہا کہ یہ جلوہ دیکھنے کے بعد ہم داپس اپنے ہوٹل میں پہنچا تو ہماری تین دعوے کیا کہ اس نے جو پچھہ دیکھا ہے وہ کسی سے نہیں گئے گا بلکہ تحریری طور پر ایک دوسرے کے سامنے پیش کرے گا۔ چنانچہ ہم سبے جو کچھ دہان کیا تھا غذیر پر لکھا اور ایک دوسرے کو دکھایا۔

اللہ تعالیٰ صرف زبان اور بیان کافر تھا۔ باقی تحریر کا مطلب ایک ہی تھا۔ داتا گنج بخش نے ہم چاروں کو یک ہی بشارت دی تھی۔

یہ خبر پڑھ کر مجھے تو اطمینان پیدا گیا کہ واقعی ایوب خان پیر اللہ کا سایہ ہے۔ ٹھنڈا ذرا سی رہ گئی کہ ملاں کیسے قابل کر سکوں گا۔ وہ دلیل بازی کی اسی دقیق میں مبتلا میں جس سے کوئی وہابی بچا ہوا نہیں۔ ملاں سے بیان کرنا۔ بلکہ اسے اخبار دھانا اس لئے تاگزیر تھا کہ اسے اپنے وہابی بھائی کی حق پسندی پر طڑانا ہے۔ میں بدلتے لیتے ایسے زریں چانس کو کیونکر کھو سکتا تھا جس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہو کہ اس کا وہابی بھائی مودودیہ، زندیقیہ مس فاطمہ جاہ کی حمایت کر کے خدا کے قریوں عتاب کا مستوجع تر ہے۔

”ڈیر صوفی صاحب! آئے کے سر کی قسم خبر پڑھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔“ تکمیر یہ دیوال شریف کوئی ہیں؟“

”کون ہیں؟“ ارسے یہ تو مشہور قلندر ہیں لفشندر یہ، چشتیہ، سہروردیہ سب سلویں ہیں کلاغی والے مانے جاتے ہیں۔“

”دیری ناس۔“ مگر ان کا نام اگیا ہے؟“

پڑے تھے۔ ایک روپیہ ان کی طرف بڑھا دیا تو کہنے لگے ”ذوں دو۔“ میں نے عرض کیا کہ بارہ آنسے اس روپے میں طلب کسلے رکھیں۔ ناوی میں ”ظالم حسینہ“ لگا ہے۔ چار آنسے پان گیریٹ کے ہیں۔

کہنے لگے ”پھر تو ترقی ہو چکی۔ ایک روپے میں تسلیم کی جلیدیوں کے سوا ایک آسکت ہے۔“

میں مایوس ہو گیا۔ ”لیکر وہ صوفی صاحب۔ ظالم حسینہ تو لازماً دیکھنا ہے۔ لایتھ خیراس وقت یہ روپیہ لٹا دیجئے انشاء اللہ تھواہ پر الحکم دو پیش کر دوں گا۔“

”نہیں عزیزم یا یوس مدت ہو۔ ایک سے بھی دس فی صد ترقی تو ہو ہی جاتے گی۔“ یہ کہہ کر وہ روپیہ بیت چلے گئے تھے۔

کل علی الصباح آتے۔ ہاتھ میں ایک پاکستانی اخبار تھا۔ چائے کا حکم جاری کرنے کے بعد فرمائے تھے۔ ”دیکھو عزیزم۔“ ہم نہ کہتے تھے کہ تمہارا وہاں بی سالا بجو اس کرتا ہے۔“

”بے شک ہے تھے۔ میں نے کبھی اس کی تردید نہیں کی۔“ ”تم کیا تردید کرو گے۔ فقر کی بات پھر کی لکیر۔ لو دیکھو۔“

میں نے اخبار لے لیا۔ اس پر ایک جگہ سورج نشان تھا وہیں پیش کی نظر آئی۔

”اللہ تعالیٰ نے اپوزیشن پر رحمت کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔“

اس کے نیچے یہ ایمان افزود خبر درج تھی:-

”روانہ نہیں اور سکھر۔“ پیر حمد، دیوال شریف نے آج پاکستان پریس ایسوسی ایشن کو ایک خصوصی انٹرو گیز نوادران بتایا کہ اللہ تعالیٰ متحده حزب اختلاف کے ساتھ سخت ناراض ہیں۔ یکوئی وہ ایک عورت کی حمایت کر رہے ہیں۔ پیر صاحب دیوال شریف نے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنے تین دوسرے فقروں کے ساتھ

— اپنے صوفی علمکیں —

”وہ تو جوچہ معلوم ہی ہے“ وہ جھلک کر بولی ”مگر کیا آپ کے سامنے ساری کیتھی چاند انی میں نہیں لوٹ دی تھی۔“
”چھر بھی۔“ میرا مطلب ہے ایک پیالی پانی
ُ بالنے میں درپر کیا لکھتی ہے۔“

”پانی میں ڈلے کا کیا۔ اب جھٹکی کا براد؟“

”کیوں۔ کیا پانی بالکل ختم ہے؟“

”آپ تو بھی پردیں سے آئے ہیں ناکہ کچھ پتا ہی نہیں
جاتے۔ میرے سر میں آپ ہی درد ہے۔“

”جاوں کہاں بازو۔“ وہ گرم پرانٹھا اور ایک دو
انڈے بھی ماںگ رہے ہیں۔“

”اب مجھے ذبح کر کے کھلا دو۔ یہ وہی علمکیں ہیں نا
جن کے بھائی مسکین است بھی بازدھ لے گئے تھے۔“

”یہاں تم بھی نہیں بھجو لوگی۔“ میری عرفت تھا ای
عزت ہے میگم۔ میں آخر ان سکیا کہوں۔“

”بیگم اور بانی دلوں گئیں ختم ہیں۔ یہ تو کیا پوچھتے
کو جرساری لیلی اللہ کے دیدی تھی تو تجھ بدنخت نے کیا پیا
اس سے آپ کو کیا غرض کہ جب ڈبہ گرم کی کسے سارا بھی
پرانٹھوں میں جھونک دیا تو دیہر کی بانڈھی کاہمیں پلکی۔“
اس کی آواز مندہ لگتی اور انھیں دب بانے لگی۔

”آپ تو بہت ہی ضایط تھیں بازو۔ یہ کیا۔“
”جائیے۔“ اس وقت مذاق برداشت نہیں کرنی۔
”پھر وہی۔“ جاؤں کہاں صوفی صاحب فرپرانٹھا
اور چاٹے۔“

”خدا کے لئے جھیر رحم کیجئے۔“

اب اس کی آنکھوں کی نئی بلکی پھوار میں تبدیل ہونے
لگی تھی۔ وہ آج سچ تج دل گرفتہ تھی۔ کیسے نہ ہوتی۔ شکر
ڈھائی روپے سیر۔ گیوں سوار دپے سیر۔ آلو ایک روپے سیر
مکیں کا آٹا چودہ آنے سیر۔ راشن دس دن سے زیادہ نہیں
چلتا تھا۔ باقی میں دن وہ کس طرح چوڑھا چلاتی تھی یہ میری
 بلا جانے۔ میری تھواہ میں گماں الاؤ نس کے نام پر پچھلے سے

”نام سے کیا لینا ہے کام دیکھو۔“ نام شاید نہیں ازماں
یا نچیر علی یا جل بہار۔۔۔ پچھا ایسا ہی سا ہے۔ اے
وہی توہین پارسال کلیئہ تشریف میں جن کی تعریف خرا جس
ارادت علی کر رہے تھے۔ تم بھی تو تھے۔“
”جی ہاں خالی۔“ وہی ارادت علی جھنوں نیم جہاں
کے مجربے میں سو کافوٹ پھیکا تھا؟“

”ہاں ہاں وہی۔“ وہی کیا سمجھتے ہے۔ شاہ
بلاقی کے پیش خدمت ہیں۔ جس کی تصدیق کر دیں جھوپ پار
لگا۔ جس کی تصدیق نہ کریں اپڑیاں رکڑوں کو مر جائے مگر
ذاتقاکے پھیر سے نہیں نکل سکتا۔“

”اوکے۔“ چھر تو پیر دیول شریف صاحب کے باڑے میں
تحقیق ہی قبول ہے۔ ملکے یا صوفی صاحب۔ ملائی
ثبوت پر چھکی۔ ثبوت کیا ہے کہ پیر دیول شریف کا بیان
درست ہی ہے۔“

”آنکھیں نہیں ہیں منھ پر۔“ وہ غارتے۔ ”چھر
پڑھو۔“ تین خدا مست قفر عین شاہد ہو جو دیہیں جبکہ ایک ہی
مرد کی گواہی مفتی لوگ مقبیل کہتے ہیں۔“

”بے شک۔ ل۔ لیکن کوئی اور ثبوت؟“

”لو اور بھی لو۔“ انھیں نے چائے کے بڑے سے
ھونٹ سے پرانٹھ کو معدے میں دھکیلے ہوئے روئی کی
مرزی کی اندر وہی جیسے ایک اخبار اور نکالا۔ اس میں
پیر صاحب دیول شریف کا ایک پچھلا واقعہ درج تھا۔
”پڑھو اسے۔“ ذرا ٹھیرو و تھوڑی چائے اور
ایک گرم پرانٹھا اور لے آؤ۔ انڈے بھی بس ایک دو اور
لے لینا۔“

میں درے سے ہے اندر پہنچا۔ ملائی مکی کے آٹے میں سے
چوہوں کی مینگنیاں اور کنکنیں رہی تھی۔ میرے ہاتھ میں
چائے دلی دیکھ کر اس کے چہرے پر زانہ لے کے آشنا ہو یدا
ہوئے میں نے جھٹ سے انگلی ہونٹوں پر رکڑ کر خاموشی کا
آرڈر دیا اور قریب پہنچ کر نہایت عاجزی سے عرض کیا۔
”سمجھنے کی کوشش کرو بانو۔“ صوفی علمکیں چاہا ہیں

صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے اور میں ان سے
معاونگ کر رہا تھا۔

سبحان اللہ — کیا لوگ ہیں... — میرے منھ سے
نکلا۔ صوفی صاحب! اپنے ہندوستان جنتِ مکان میں
تواب ایسے اللہ والوں کا کال ہے۔ چلتے پاکستان ہی جائیں۔
”جھک مارتے ہو عزیزم — ارے یہاں تو ایسا ایسا
پڑا ہے کہ — تھا کے سر کی قسمِ اٹکلی اٹھادے تو زین شق
و پور جائے آسمان کی دھیان اُٹ جائیں۔ کیا سمجھتے ہو اپنے شاہ
خندی کو — وہی اکیلا عرش وکر سی پر بھاری ہے۔ جبریل
میکائیل باہن بندھ کھڑتے رہتے ہیں۔“

”شاہِ خندی وہی درگاہ مبل شاہ کا بھلا سجاہا
یاں وہی — تھا کے سر کی قسم میں نے خدا سے ہواں
امرت دکھلتے۔“

”مکر صوفی حساب — وہ وہ تو سن اکٹھ میں
جو اریوں کے ساتھ کپڑا کیا تھا۔“

”مودودیت کی خوبیم میں بھی آتی جا رہی ہے۔ ارے
برخوردار اچوکا اور شراب کیا۔ یہ تو ظاہر پرستوں کی تھیں
یہیں۔ فقیر لوگ تلے گئے طوب کر بھی تردا من نہیں ہوتے۔“
”مودودیت کا طعنہ مت دیا سمجھے۔ بنہ تو اس قرآن
تک کو چھپوں انا فرگ مجھتا ہے جسے کسی مودودی نے ہاتھ لگا دیا ہے۔“
”جو جان من — اپنے خواجه لف دراز کی بھی بھی
وصیت تھی کہ کافر کے ہاتھ کا پکا ہوا سیور کھالو گمرا مودودی
آب زرم بھی دے تو نالی میں بہارو — ابھی چھپی جمعرات
ہی کو تو۔ رہ گئی کسر و نہ نگئے تھے پچھے کام سے۔“

”کیا ہو اتحاہ؟“ میں نے بتا بن سوال کیا۔
”وہ اپنے خواجہ مراد یدیں نا۔ اسے وہی بابا چھٹے
واسے کے پیر بھایی۔“

”جی ہاں جی ہاں۔“

”حضور پدر العلی کے روضہ پر مرائبے میں بیٹھے تھے کہ
انتے میں میرکائیں اور عزرا تیلِ نمشی مودودی کی ڈنڈا ڈولی
کر کے لاتے۔“

چھٹے چینے بائیس روپے پانچ پیسے پڑھتے تھے۔ مگر اسی چینے
ظامِ سیما و الوں نے ٹکٹ پر میں فیصلہ ضماف کر دیا تھا پیسے
کے تباہ کو پر بھی دام چڑھتے تھے۔ بڑی کامنڈل پاسنگ
شوکی ڈبیا کو منھ چڑھا رہا تھا۔ حدیثہ کہ موٹنگ چھلیاں
بھی اس کاٹے میں تل کر مل رہی تھیں جس میں سال پہلے
موئی ستارچاندی سونا تو لاکر تا خفا۔ میرا موٹنگ چھلی کا خسرج
آزادی ملنے والے سال دوپیسے روز کا تھا لیکن اب چار آنے
روز کا ہے۔ چار آنے میں بھی دل ماڑنا پڑتا ہے۔

”اماں — برخوردار! کہاں بیٹھ کے دھنے۔“
صوفی صاحب کی تڑا خندار آوازِ ستائی دی۔ میں خالی
چاند اتنے بیٹھک میں لٹا۔

”شرمندہ ہوں یا رصوفی حساب۔ اچانک مجھ میں
کوئی مرگیا ہے ملائیں وہاں جائی گئی ہے۔“

”اماں خردو تو طاڑ سہ بھی نہیں ہے کیا۔“
”وہ دن چڑھتے آتی ہے۔ غصب یہ ہے کہ ملائیں بازو تھی
خلنے میں تلاطِ الگتی ہے ورنہ دو چار اٹھتے تو میں خود ہی
اہلِ الالتا۔“

”پھر تو جبوری ہے۔ خیرِ قلم ثبوت پڑھو۔“
انھوں نے اخبارِ بیری طرف پڑھایا۔ یہ پاکستان کا
ایک ہفت روزہ تھا۔ اس میں پیر دیول شریف کی جیاتِ مبارک
کا ایک واقعہ یوں بیان کیا گیا تھا۔

ایک دندرہ کا میں سفر کر رہے تھے کہ راست میں
کہیں کچھ جمال آیا اور ڈرائیور کو فوراً کاروں کے گام
دیا۔ ہم سفر جرانہ ہو گئے کہ اس ٹھنڈی میں ٹھیرنے کا یہ
طلب ہے۔ یہ پیر صاحب کا رسے یہی ترے اور
ستر کے ایک طرف جا کر اشaron کے ساتھ ایسی حرکت
کرنے لگے جیسے کسی سے بغلیب ہو رہے ہیں یعنی مصالحہ
اور معافہ کر رہے ہیں۔ کچھ درے کے بعد واپس آگر
کار میں بیٹھ گئے اور ڈرائیور کو گام دیا کہ چلو۔ ہم سفر
ساتھیوں نے پوچھا کہ جذاب آپنے یہ کیا حرکت کی ہے
جو اب ہیں فرمائے لئے کہ بیری ملاقات کے لئے حضورِ اکرم

”آگے بس یہ ہو اک الف نک تودائی پرینے ڈھیں
دیئے رکھی۔ چوتھے سال جب الف کو چھلانگ کر لام کی طرف...
”چوتھے سال... باپ کے فقط الف کی تفسیر میں
چار سال...“

”نہیں تو کیا یا۔ یونہی مودودی کی تفسیر تو نہیں ہے کہ
جلدروں پر جلدیں لکھے چلے جا رہے ہیں۔ اصلی تفسیر ہم سے
پوچھو۔ ایک الف میں سات ہزار ہلوہیں۔ پھر ان کے
بیان سے فراغت پاؤ تو کھڑے الف اور طریقے الف کے
فرق میں ڈھانی ہزار ہلوہیں۔ پھر ان سچھٹی ملے تو یہ یکھنا
پڑے گا کہ الف پر نقطہ ہوتا تو کتنے پہلو نکلتے۔ نقطہ نہیں ہے
تو بے کے نیچے نقطہ کیوں ہے۔ اور ہے جویں تو جیم کے پیٹ
میں نقطہ کیوں ہے آختم خود سوچو عزیزم۔ اللہ آسمان
وائے کا کوئی کام مخلوقت سے خالی کیسے ہو سکتا ہے۔ جب
یہی پورہ نہ ٹھاکر تے کے اوپر دو اور تے کے اوپرین نقطے
کیوں ہیں تو تفسیر کا ہے کی ہوئی اول فوں ہو گئی۔“

”بجا کہتے ہیں۔ میں الف پر تو ایک بھی نقطہ
نہیں۔“ میں جھخٹا سا گیا۔

”بھی تو امشکل ہے۔ قطب الاولیاء نے ایک
سال نک تو اسی اسرار سے پر ۵۰۰ اٹھا یا تھا کہ الف پر نقطہ
کیوں نہیں ہے۔ پھر ایک سال یہ راز سمجھا یا تھا کہ الف
سیدھا کیوں ہے گول کیوں نہیں، چیٹا کیوں نہیں۔ پھر
ایک سال اس نکتہ پر تقریر کی جھی کہ الف ہم کیوں ہے۔
اور الف کے فوراً یعنی جب بے آئی ہے تو اللہ صاحب
الحمد میں الف کے بعد لام کیسے رکھا اور جب آئی دور
کا حرف رکھا تھا تو لام کے بعد فوراً ہی جیم کیسے رکھدیا وہی
ہے کیوں نہ رکھی۔ بتاؤ کیا مودود کے فرشتے بھی ان اسرار
کا حال احوال بتاسکتے ہیں۔“

”کیا کھا کے بتائیں گے۔“ میں بولا۔“ وہ آخر
کو مانتے ہی نہیں۔ ان کی تفسیر خادم تو تحریر کیا ٹھھتا۔ اپنے
مزار عفران بتا رہے تھے کہ مودودی صاحب کے الف لام
جیم کا انکار کیا ہے۔“

”کون میکائیں اور عزرا میں۔“ میں چونکا۔

”میں آرہی ہے کیا۔ اے دہی فرشتے اور کون۔“

”اچھا۔ یعنی کہ حضرت میکائیں اور عزرا میں علیہما

السلام۔“

”ہاں ہاں سلام کہہ لو۔ تو خاب الحنوں تو اجھا
سے اجازت چاہی کیا ہی مودودی کے مکاٹے مکاٹے کر کے پھینک
دیں۔ خواجہ صاحب اس وقت الف لام جیم کے زین پر تھے
— خیریت لذرگی۔“

”الف لام جیم کا زین۔“ میں بدل دیا۔“ یہ میرے
نئی اطلاع ہے۔“

”یقیناً ہو گی۔“ یہ مودودی وہ دودوی کل کے لونڈے
تفسیر لکھنے چلے ہیں۔ ایک الف کی سیڑھی زندگی بھر لے نہیں
کر سکتے۔ ہم سے پوچھو الف لام جیم کا الف سات باشنا ہتھیں
پر بھاری ہے۔ جب ہے بھساوں شریف کے قطب الاولیاء
سوٹے میاں کا دام کس طرح نکلا تھا۔“

”نہیں۔“ میں نے تو صرف انسان رکھا ہے کہ وہ

سنڈاں میں گر گئے تھے۔ پھر نہ اپھر سکے۔“

”بھیوڑے ہیں۔ وہ تو چکر وستے کے شیخ موسیٰ میاں
کا واقعہ تھا۔ قطب الاولیاء تو الف اور لام کے سچ میں
پھنس کر رہے تھے۔“

”یعنی؟“

”تفسیر کا شوق حرّ ایا تھا۔ ہمارے دادے پیر زکاوت
علی رضی اللہ عنہ نے بہت سمجھا کہ ابھی اناثری ہوا الحمد ری
ڑک جاؤ۔ وہ نہیں مانے۔ انھیں دراصل کسی دیوبندی
وابی یا مودودیتی نے چڑھادیا تھا کہ تفسیر بیان کرو۔ الف
لام جیم تک پہنچے تو ہمارے دادے پیر نے ٹو کا۔“

”گھر صوفی صاحب۔ قطب الاولیاء کو ٹوکنا۔...
یا۔۔۔ یعنی۔۔۔؟“

”دادے پیر زکی الطائف تھے قطب الاولیاء ان کے
آگے کیا سمجھتے ہیں۔“

”سوری۔۔۔ ہاں تو آگے۔۔۔“

”وہ تو کون ناہی تھا۔ کتابیں پڑھ پڑھ کر عالم بنے
ہیں۔ ہنھ۔“
”ہاں تو وہ قطب الاولیاء۔۔۔“

”جی ہاں۔۔۔ جب نہیں مانے اور الٹ کے بعد
لام کی تفسیر پڑھلے تو اپنے خدا دے پرنسے بس ایک انگریز شہر
کا اٹونگا دیا۔۔۔ منھ کے بل آئے سونتھیاں صاحب۔۔۔
ناک سے وہ خون بہا ہے کہ چھپنے تھا۔ بھیجا بانی بن کر نہیں گیا
آج بھی ان کے مزار سے گھٹا گھٹا انسے کی آواز آتی ہے۔۔۔“
”گھٹا گھٹا نے کی!“

”ہاں۔۔۔ دادے پیر نے ابھی تک جان نہیں بخشی
ہے۔۔۔ بخشیں مگر بھی نہیں۔۔۔ سنائے قطب الاولیاء کے
دادے مشی مودودی کے دادے کے برابر والے حسن میں
روہتے تھے۔۔۔“

”یقیناً رہتے ہوں گے۔۔۔ میں نے تائید کی“ یہ
مودودی صاحب کی تحریک بڑی پڑائی خاندانی صارش
معلوم ہوتی ہے۔۔۔“

”اسے تحریک پڑھیں کیا۔۔۔ پیٹ کے دھنے کیں
کتاب لکھی پیچ لی۔۔۔ چند لیا کھایا۔۔۔ اب تو خیر امر کیسے
مجھی بچھے مل رہے ہیں۔۔۔“

”ستا تو یہی ہے۔۔۔ وہ درگاہ چڑھنے شاہ کے
بڑے سجادے صاحب بتا رہے تھے کہ ہم نے خود آٹھ ہزار کا
منی اور دردیکھا ہے جو مودودی صاحب سے اپنے لیٹے سے
وصول کرایا۔۔۔ کمال ہے صوفی صاحب یہ سجادے
پاکستان تو بھی گئے نہیں مگر وہاں کے چھے چھے کا حال جب
جستہ ملتے ہیں۔۔۔“

”کیوں نہیں۔۔۔ چڑھنے شاہ عمومی درویش نہیں
تھے۔۔۔ ان کے روضے کا سجادہ کم سے کم سات ملکوں کا صاحب
خدمت ہوتا ہے۔۔۔“

بات کہیں کی کہیں بچھی۔۔۔ یہ مسائل تصوف چیز
ہی وہ ہیں کہ چھڑے تو چھڑے۔۔۔ آخر کار میں نے آدم پرسر

مطلوب کاغذہ مارا۔

”پیر دلیل شریف کا واقعہ ہے تو بڑا روح پرورد
— لیکن صوفی صاحب۔۔۔ وہ دلیل پوچھے گی۔۔۔“

”کون؟“

”میری وہابی زوجہ۔۔۔ وہ کہنے کی دعوے کی یہ
دلیل خدا یک دعویٰ ہے۔۔۔ اس کی دلیل لاو۔۔۔“
”ہاتھ دینا ایک کس کے۔۔۔ اماں یا ریبویوں سے
بھی مرد بنتے ہیں کیا۔۔۔“

”دبنا پڑتا ہے حضرتا۔۔۔ وہ میرے باس کی بہن ہے
— باس سمجھے آپ؟“

”جی ہاں وہی از ندیق تھا۔۔۔ سالے مردوں۔۔۔“
”پھر بتائیے نہ دبؤں تو کیا کروں۔۔۔ آپ ہرف
سور و پے ہمیشہ کا بندوبست کہیں سے کر دیجے پھر دیکھئے۔۔۔
بیوی اور سالے دنوں کی دھیجان نہ اڑادوں تو موچھیں
منڈوار دیجئے گا۔۔۔“

اخھوں نے برا سامنہ بناؤ کر مجھے گھبرا۔۔۔ پھر کہنے لگے

”موچھیں تو تم رکھتے ہی نہیں۔۔۔“

”رکھ لوں گا۔۔۔ آپ وعدہ کر لیں کہ سور و پے ماہرو
کا انتظام ہو جائے گا اسی دن موچھیں رکھ لوں گا۔۔۔“

”سور و پے تو ایسی بڑی رقم نہیں تھی۔۔۔ مگر
عزیزم۔۔۔ بازار بڑا منڈا جا رہا ہے۔۔۔ اپنی درگاہ کی آمد فی
آدمی رہ گئی ہے۔۔۔“

”پھر بتائیے۔۔۔ زوجہ دلیل پوچھے گی تو کیا جواب
دلوں گا۔۔۔“

”دلیل اور کسے کہتے ہیں۔۔۔“ وہ اونٹ کر لیے۔۔۔

”پہلے کشف کے تین گواہ موجود۔۔۔ پھر دوسرا واقعہ پڑھنا
کی بزرگی کی کھلی دلیل آخر کوں کافر نہیں جانتا کہ کالی تملی
والے آقا ایسوں ولیسوں سے ملنے نہیں آیا کرتے۔۔۔ منھ
ذرعاً بھیرے۔۔۔ ایک فارسی کا شعر ہے نا۔۔۔ وہ۔۔۔“

”وہ۔۔۔ اماں کیا ہے سالا۔۔۔ ارسے وہی۔۔۔“
”پچھا تا پساد بیکھے۔۔۔ شاید مجھے یاد آ جائے۔۔۔“

”اللہ اکبر۔ میں تو یا رضوی صاحب اپنے پیر حمدنا
علیہ کو طلاق دیتا ہوں۔ خواہ خواہ ان سے پڑے باندھا۔
مرتے مر کئے مگر سواتے اس کے کوئی گرامت ہی نہیں دیکھی
کہ تجھ شخچ کرتے سمجھی چلے جائے ہیں۔ جا رہے ہیں اور آئیہ
ہیں آئیہ ہیں اور جائے ہیں۔“

”اماں چھوڑو۔ کن تھام لیتے ہو وہ کہیں پیر تھے۔
زندگی بھرا تھا اگر ٹھرتے رہے۔ کہنے والے تو کہتے ہیں کہ وہ بھی
مودودی تھے۔“

”ہو سکتا ہے۔ ان کی دادھی تو بالکل ایسی ہی تھی صیبی
مودودی صاحب کی ہے۔ لیکن...“

”کیا لیکن؟“ وہ غرائے۔

”اخیں مرے ہوئے پھاس سال ہو گئے۔ تب تک
توکی نے مودودی صاحب کا نام بھی نہ سننا تھا۔“
”کیا فضول بکتے ہو۔ مودودی کی عمر ستر سے کیا کم
ہو گی۔ ان کے زمانے میں اٹھاوارہ میں سال کا ضرور رہا ہوگا۔“
”یہ تو ہے...“

”بس تو پھر۔ اثر آنا کی مشکل ہے۔ اچھا ب
ہم چلے۔ یار تم نے آج ناشتہ بھی ڈھنگ کا نہ کرایا۔
کل ذرا اچا جو کاحو بنو اکر رکھنا۔“

”ضرور ضرور۔ آج ہی آدمی کلکھیزی راشن ڈپ سے
ملے گی۔ مذکلی تو کہڑی ہی ہی۔“

”ہشت۔ گھر سے کہیں حلہ بناتے ہے۔ جھوٹ
ہوت پلاکر دشونگر مل کا ڈپی اسٹاک کیپر تو تھارا دوست
ہے۔ یاروں سے کیا پردہ۔“

”ہے تو یوں صاحب۔ مگر وہ بھی مودودیت کے
چکر میں الگا ہے۔ یار سال تک تو اڑے وقت میں دس بیس
سین تھکوادیا کرتا تھا مگر اب کہتا ہے کہ میں نے تو وہ کر لی ہے۔
خیث کہیں کامو دو دی صاحب کی کتابیں پڑھکر بگڑا ہے۔
حد پوری ہی۔ پیسیں والی مسجد کا مکان بس سال سے اس کے
قیضے میں تھا۔ مسجد والوں نے مقدمہ کیا تو مقدمہ بھی وہی
جیت گیا۔ پھر پھلے ہی ہیئت دورہ جو اٹھا ہے تو کوئی

”اماں وہی۔ اوس۔ اوس۔ اوس۔ آفتاب
آمد لیں آفتاب۔“
”گھٹ۔ گھٹ۔“ میں اچھل میٹا۔ ”آپ کے
سر کی قسم صوفی صاحب وہ مارا۔ آفتاب آمد لیں
آفتاب۔“

”اچھا برخوردار۔ اب چلیں گے۔ خبر بھی بخوبی
بلغ العلیٰ کے آئے کی خبر ہے۔ شاید آج ہی شام تک آجائیں
”کوئی کھاڑی سے؟“

”اماں کمال کرتے ہو۔ وہ گاڑی سے آئیں گے
— بھول گئے۔ پھلے مال۔“

”اوہ۔ ہا۔ سنا تو تھا وہ سید۔ ہے آسان سے
اُترے چلے آئے تھے۔ مگر میری زوجہ اسے بھی تسلیم نہیں
کرتی۔“

”تمہاری زوجہ اور سالادنوں کا فریں۔ تمہارے
سر کی قسم اگر تم تھارا الحاظ نہ ہوتا تو یا علیٰ کی ایک ہی ضرب
میں ان دنوں کے ٹکڑے ٹکڑے اڑادیتا۔“

”آپ کا نے حد مشکور ہوں۔ مگر یا رضوی صاحب
وہ مدد و گھوڑے سلکھ ہیڈ کا سبیل سے اسپکٹری پر بچ
چکا ہے۔ حالانکہ اس کا چانٹا کھا کر اپنے کہا تھا کہ کیڑے
پڑ پڑ کر مرے گا۔“

”دیکھتے جاؤ۔ بیباہی کے پیٹ میں کینسر کی شروعات
ہو چکی ہے۔ وہ تو اس کے بال پچوں کا خیال آگیا نہیں تو
کب کا ٹکٹ کٹا دیتا۔“

”وہ تو میں جانتا ہوں آپ دل کے نرم ہیں۔
اچھا ب کی حصہ میں یعنی ملٹی اسٹریٹ میں کام سنا ہے آدھ
آدھ پاؤ اُنیم ایک سان میں کھا جاتے ہیں اور بجال ہے کہ
جو شہر ہو جائے۔“

”اور نہیں تو کیا۔ اے اجیری داتا کے منظوظ نظر
ہیں افیم سالی اخیں کیا ناش و دیگی۔ ان کے عربی بانک شاہ
تو لال پرنی کی پوری بتوں پانی کی طرح غلط غلط کر جلتے
ہیں۔ بجال ہے زبان ہیں لکنڈ بھی آجائے۔“

سالی بیاض کہیں رل گئی ہے۔ اس میں تو وہ وہ عمل ہے کہ بوری کیا پورا میں ہم گھر اٹھا کر منگالیں تو کسی مانی کے لال کو دم مارنے کی ہمہت نہیں ہو سکتی۔

”عمل تو اپنی جگہ چھیکیں ہیں صوفی حسب۔ مگر معلوم ہوتا ہے کو کو جنم کھا کھا کر عملیات کے موکل بھی ہی سبڑے ہو گئے ہیں۔ نہیں میں ایک بات کہتا ہوں۔ اصلی گھی آخر جنات ہی کو کہاں سے ملتا ہو گا۔“

”میاں جنات کے لئے کیا کمی۔ وہ کاشتے بھینس کے پیٹ میں گھس کر گھی شک جاتے ہیں۔“

”آن۔۔۔ اے والدرا۔ خوب سمجھ میں آیا ہم نے پچھلے ماہ دس سیر دودھ میں سے گھی نکلو انا چاہا تھا مگر پاؤ بھر بھی نہیں نکلا۔ جبھی تو کہیں کہ یہ دودھ میں سے گھی کہاں غائب ہے۔ جنات شک ہے ہیں۔“

”اور کیا۔ سب طرف مودودیت کا دبال چھایا ہوا ہے۔ تیر بھی ملودہ تو ہر حال تھیں ہملا ناہی پڑیا گا۔“

”سلام الیکم۔“

(مازنندہ صحبت باقی)

اعیانِ حجاج [ابنیاء، صحابہ، حدیثین اور اولیاء و اقطا وغیرہ کے حج کے ایمان افروز، محققانہ اور دلچسپ قصہ۔ مولانا جیب الرحمن الاعظمی کے فلم گوہر تم سے۔ سارہ تھیں روپیے (جلد پانچ روپے) یہ بھی مولانا اعظمی کی تالیف ہے۔ حج کا ارادہ رہمہر حجاج] رکنہ والوں کے لئے عمرہ و رہنمائی۔

قیمت ۷۵ پیسے

زبدۃ المناسک (دل مکمل) [مولانا رشید احمد جنوہ بھی کی مشہور

کتاب اضافات مفیدہ کے ساتھ۔ اس میں مسائل حج کو نہایت شرح و سبیط سے بیان کیا گیا ہے۔ مجلد آٹھ روپے۔

آسان حج [مولانا منظور نعماقی کا خنثیر مگر جامع رسالہ قیمت ۵۰ پیسے

خاں آپسے آپ مکان مسجد کے والے کر آتے اور یہ بھی کہا کہ پچھلے میں سالوں کا کمر ایہ ادا کروں گا۔“

”اماں یہ مودودیتے بڑے چالاک ہوتے ہیں۔ اب دیکھنا اس بہانے سے مسجد پر قبضہ جانتے گا وہاں مودودی کا قصیدہ پڑھا کرے گا۔“

”وہ تو ہے ہی۔ چینی کا انتظام آپ ہی فرمادیں پھر دیکھئے کیا حلہ مکھلا تا ہوں۔“

”کیا خاک فرمادیں۔ ہم بھی تورام سنگھ کے ذریعہ منگاتے تھے۔ وہ اس مودودیتے ہی کی ماحصلتی میں تو ہے۔ دو چینی سے ٹاویں دستے رہا ہے۔“

”اس سے اب یا پوس ہو جائیے۔ جنتکو مودودیا خزانے کا سانپ بنایا بھاٹھا ہے ایک دانہ بھی پار نہیں کیا جا سکے گا۔“

”ارے کیا ہستی ہے اس حر جنور کی۔ ہم کرنے پر تائیں تو ایک ایک پلے میں دس دس بوریاں آڑوادیں۔ مگر پھر یہی خیال ہوتا ہے کہ اپنی حکومت ہے۔ اپنا ہی مل ہے کیوں پھلائیا۔“

”بے شک۔ خادم نے تو عمل بھی پڑھو اکر دیکھیا۔ وہ اپنے بدیع الہیان ہیں نا۔ انہوں نے حصہ اپنی حج کے عمل کیا تھا۔ ہنہ لگے کہ جنات کے بیان آج کل لیکش ہو رہا ہے۔ کسی مردو دکو احکام جوالانے کی فرصت ہی نہیں۔ شکل ایک اناڑی شسم کا جن حاضر ہوا تھا۔ اسے حکم دیا کل کے اشکاں سے ایک بوری چینی اٹھا لاد۔ وہ ہنہ لگا کہ حضور آج کل تو ہمارا وہاں داخلہ ہی بن رہے۔ اشکاں روم پر ایک ہم سے بھی لمبا نظر نکلا فرشتہ میں گن تانے کھڑا رہتا ہے جب بھی گئے وہ جاتا ہی نا۔ ہم نے اسے کلور فارم بھی سکھانا چاہا تھا مگر حضور اس نے ناک سے جو چینکار ماری تو کلور افارم کی شیشی آسمان کی طرف اُڑی جیلی گئی۔ وہ بھی شیشی تو ہے جسے روس اور امریکہ والے بدماش کہتے ہیں کہ ہم نے چاند لکیف را کٹھ چھپڑا ہے۔“

”خیز فرشتوں و رشتتوں کو تو ہم رب دیکھے لیتے۔“

تفسیر سورہ نور اس شاہکار تفسیریں نہ کر اور قیام کے بہترین تجھڑا جمع کرتے ہوتے واضع کیا گیا ہے کہ قرآن و سنت کے اصول سے فرمات کا استنباط کیوں نہ کرتا ہے۔ اسلامی اخلاق کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل سورہ نور کی تفسیر ضرور ملا حظ فراہیتے۔ (اذ۔ مولانا موسوی بخاری)

قرآن اور حدیث قرآن اور حدیث میں کیا ربط ہے؟۔ حدیث کو ہم ایسی کیلئے کافی نہیں؟۔ اس نوع کے سوالات کا شانی و کافی جواب۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے قلم سے۔ دیر صریح۔

بدعت کیا ہے؟ (نیا اضافہ شدہ ایڈیشن) بدعت و عصیت کے دو ایک دلائل کے ذریعے صحیح ترین اسلامی عقائد کو واضح کرتی ہے۔ تمام بدعتات کیلئے ضرر لکھیں۔ قیمت مجلد تین روپیے۔

بلغ ایین بدعت و مشرک کے خلاف اور سنت و توحید کی حمایت میں روش دلائل تفہیم تحقیقات۔ مجلد چار روپے۔

حمد و سلام مروج عرصہ والی اور گانے بجائے کمی شرعی حیثیت پر حرف آخر۔ قیمت ایک روپیہ۔

مکتبہ تحریک مولانا ایمن احسان کی معکرة آثار اتنا لیف۔ تزکیہ نفس کی حقیقت اور وہ کس طرح پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ ایڈیشن۔ پڑھو پیے۔ مکتبہ تحریک۔ دیوبند (بی پی)